ماھنامہ

حکمت بالغہ

مارچ2009

مدیر:انجینئر مختار حسین فاروقی

قرآن اکیڈمی

جھنگ پاکستان

فون اورفیکس:0092-47-7628361

ای میل:hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ/http://jhanghikmat.co.cc یا

www.hamditabligh.net پر حکمت بالغہ کے تمام شمارے دستیاب ہیں

حرفِ آرزو

قرآن اکیڈمی میں منعقد ہونے والے ماہانہ سمیناروں کے سلسلے میں 20 نامور شخصیات پر ہونے والے پروگراموں کی تفصیلات قارئین حکمت بالغہ کے لیے باقاعدگی سے شائع ہورہی ہیں۔ جو حضرات اس سلسلۂ اشاعت کو مستقلاً دیکھ رہے ہیں انہیں اندازہ ہے کہ گزشتہ چودہ صدیوں میں مسلمانوں کی تاریخ الگ ہے اور اسلام کی تاریخ الگ ہے۔ اور اس پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی سربلندی اور تجدید واحیائے دین کے لئے جن مردانِ کار کو کھڑا کیا ان کے کارنامے اور خدمات کو جاننا، ان کا اعتراف کرنا اور اس سلسلۂ احیائے دین کو ہر دور کے تناظر میں دیکھ کر آگے بڑھانا' اسلام کی بہت ضروری اور ناگزیر خدمت ہے، جو ہر باشعور اور باصلاحیت مسلمان پر عائد ہوتی ہے۔

اس سلسلہ کی آٹھویں شخصیت پر سیر حاصل گفتگو اس شمارے میں شامل ہے گزشتہ شخصیت سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ اور اس شمارے کی شخصیت حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ میں چونکہ 600 سال کا زمانی فصل بھی ہے اور امت مسلمہ کے مرکز بغداد سے زمینی بُعد بھی، لہٰذا سلسلہ کلام کو جوڑنے کے لئے چھ صدیوں کے حالات و واقعات پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے جس سے قارئین کرام کو مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے کارناموں اور خدمات کی ضرورت واہمیت کا ادراک ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سلسلے اشاعت کو مکمل کرنے کی ہمت وتوفیق ارزانی فرمائے آمین۔ اور امت کے باشعور اور ذہین طبقے میں احیائے اسلام کے لیے کی جانے والی کوششوں میں شامل ہوجانے کا جذبہ بیدار فرمادے آمین۔

نصف صدی سے پاکستان کے حالات میں لوٹ کھسوٹ، مہنگائی، ظلم وستم، اغوا، دھماکے اور بے حیائی کے فروغ کے ماحول میں وکلا برادری کی طرف سے ملک میں عدلیہ کی آزادی کی جو تحریک گزشتہ دو سال سے جاری ہے اس میں اب دیگر ہمدرد حضرات اور سیاسی جماعتیں بھی شامل ہوتے جارہے ہیں۔ یہ تحریک یقیناً ملکِ پاکستان کے لیے نہایت اہم ہے اس بارے میں تو دو آراء ہوسکتی ہیں کہ اس میں سیاسی جماعتوں کی شرکت سے اس تحریک سے فائدہ ہوگا کہ نقصان؟ لیکن اس تحریک کی ضرورت و اہمیت اور اس کی کامیابی کے لیے دعا میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہوسکتا۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تحریک کے قائدین کو ثابت قدم رکھے اور اس تحریک کو کامیاب فرمائے آمین تا آنکہ ملک پاکستان میں عدل وانصاف کا دور آجائے اور انصاف عام آدمی کو بھی میسر آسکے۔ اسی تحریک کی کوشش سے ان شاء اللہ سماجی عدل، اقتصادی عدل، اور سیاسی عدل کی شاخیں بھی پھوٹیں گی اور اس پر بھی برگ وبار آئیں گے۔ اس اجتماعی عدل کا ضامن اسلام اور قرآن ہے جو ریاست میں کفالت عامہ کا دعوایدار ہے۔

؎ آسمان ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

رسول اللہ ﷺ

کی سیرت کا ایک اہم باب

ماہ ربیع الاوّل رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا مہینہ بھی ہے اور وفات کا بھی جس کی مناسبت سے اس شمارے میں ماہنامہ نقوش لاہور کے سیرت نمبر سے ایک تحریر کا انتخاب شامل ہے۔ یہ بات زیادہ عام نہیں ہے کہ نقوش کا سیرت نمبر 10 ضخیم جلدوں پر مشتمل تھا اور اپنی جگہ سیرت پر ایک خوبصورت اور جامع مرقع تھا۔ یہ منتخب تحریر سابق چیف جسٹس قدیر الدین احمد صاحب کی ہے اور عنوان ہے۔

حضور ﷺ

بحیثیت مظہر تکمیل نبوت و رسالت

کسی تحریر سے صد فی صد اتفاق تو مشکل بھی اور غیر ضروری بھی تا ہم مجموعی طور پر ختم نبوت و رسالت کے عنوان پر اچھی تحریر ہے (ادارہ)

بحیثیت مظہر تکمیل نبوت ورسالت

سابق چیف جسٹس قدیر الدین احمد

عنوان کا تجزیہ

حضرت محمد ﷺ کی حیات بابرکات کے بہت سے پہلو ہیں ان میں سے ہر ایک پہلو پر مقالے بلکہ کتابیں لکھی جائیں تو لکھنے والے اپنا تھوڑا سا ہی حق ادا کر پائیں گے ختم نبوت پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں مقالے اور بہت سی کتابیں تالیف کی جا چکی ہیں۔ مگر ساتویں قومی سیرت کانفرنس کے لئے وزارت مذہبی امور نے جو عنوان تجویز کیا تھا وہ میرے خیال میں عام عنوانات سے بڑی حد تک مختلف ہے۔ عنوان یہ ہے کہ ''آنحضرت ﷺ مظہر تکمیل نبوت ورسالت تھے'' اس کے تحت یہ عیاں کرنا لازم آتا ہے کہ خود اس ذات والا صفات سے یہ حقیقت کس طرح ظاہر ہے کہ نبوت ورسالت تکمیل کو پہنچ گئی اس زاویۂ نگاہ کی خصوصیت یہ ہے کہ پیشین گوئیوں اور اقوال کی مدد سے یہ مقصد پورا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ پیشین گوئیوں اور اقوال کی حیثیت تو زیادہ سے زیادہ معتبر گواہیوں کی ہے۔ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آنحضرت ﷺ خود مظہر تکمیل نبوت ورسالت تھے۔ بلکہ اگر گواہیوں کی ضرورت ہو تو نتیجہ الٹا نکلتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ''عیاں راچہ بیان'' یا یہ کہ ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' اس کے علاوہ اس عنوان کے تحت یہ بحث بھی کارآمد نہیں ہوسکتی کہ اسلام کے اصول دیگر ادیان کی اصولی ہدایات سے بہتر ہیں؛ کیونکہ مقصد مقابلہ نہیں ہے جو چیز بمقابلہ دیگر اشیاء بہتر ہو اس کا خود کامل بھی ہونا ضروری نہیں ہے۔ تیسری بات جو اہم ہے وہ یہ ہے کہ تکمیل اور اختتام میں فرق ہے ایسی تعلیم ہوسکتی ہے جو ختم تو ہو جائے مگر مکمل نہ ہوئی ہو (مثلاً ہمارے ملک میں طالب علموں کی بہت بڑی تعداد تیسری چوتھی جماعت کی تعلیم کے بعد تدریس سے محروم ہو جاتی ہے۔ یعنی ان طلبہ کی تعلیم تکمیل کو نہیں پہنچتی۔ انسان کی بہت سی نسلیں بھی

ایسی گزری ہیں جن کو محض ابتدائی اخلاقی تعلیم میسر آئی اور اس کے بعد ان کی تعلیم وہیں ختم ہوگئی۔ ایسی نسلیں دنیا کے ہر ملک میں گزری ہیں علم الانسان (ANTHRO POJOGY) کی تحقیق اس زمانے میں بھی خاص کر افریقہ اور اسٹریلیا کی ایسی اقوام کی نشاندہی کرتی ہے جو باعتبارِ اخلاق نہایت پسماندہ ہیں کیونکہ جہاں ان کی تعلیم رک گئی اس سے بہتر تعلیم انہیں نصیب نہیں ہوئی۔ یہی اختتام اور تکمیل کا فرق ہے۔ یہ فرق افراد کی تعلیم میں بھی پایا جاتا ہے اور اقوام کی تعلیم میں بھی۔ جب ہم اللہ کی جانب سے انسانیت کی تعلیم کا ذکر کرتے ہیں تو سارے کرۂ ارض کا تصور ہمارے ذہن میں آجاتا ہے۔ اسی طرح ان تمام اقوام کا بھی خیال آجاتا ہے جو اس زمانے میں روئے زمین پر موجود ہیں یا آج سے پہلے تاریخ کے مختلف ادوار میں یہاں آباد تھیں۔ نبی اور رسول اللہ کی طرف سے انسانیت کے معلم ہوتے ہیں چنانچہ خاتم النبیین ﷺ کا ذکر کر کے ہم نے انسانیت کی تعلیم کا ذکر کیا ہے۔ کسی مدرسہ کالج یا قوم کی تعلیم کا نہیں۔ اس طرح ہمارے مضمون کی وسعت قوموں کے وجود اور ممالک کی حدود سے وسیع تر ہے۔

تعلیم کے لوازمات

مندرجہ بالا امور کو ذہن میں رکھنے کے بعد آگے بڑھیں تو یہ دکھائی دیتا ہے کہ تعلیم کی بہت سی صفات اور خصوصیات ہوتی ہیں جن کا تعلق ہر قسم کی تعلیم سے ہے مثلاً ہر قسم کی تعلیم کی ابتداء اور انتہاء ضروری ہوتی ہے کوئی طریقۂ تعلیم ایسا ذہن میں نہیں آسکتا جس کی بتداء نہ ہو اسی طرح تدریس کا کوئی ایسا منصوبہ بنانا ممکن ہی نہیں ہے جس کی کوئی آخری حد ہی نہ ہو البتہ یہ تو ممکن ہے کہ اختتام کی ایک حد کی بجائے متعدد حدود ہوں جیسا کہ آج کل تعلیم کے مدارج مقرر ہونے سے تعلیم کی ایک حد ابتدائی اور دوسری حد ثانوی اور اسی طرح اور حدود مقرر ہوگئی ہیں مگر ایسا نظام تعلیم عقل سے بعید ہے جس میں شاگرد عمر بھر شاگردی ہی کرتے رہیں اور کبھی اس قابل نہ ہوں کہ اس علم کی مدد سے جو انہوں نے حاصل کیا ہو، خود آگے بڑھ سکیں ایسی شاگردی جب ہوتی ہے تو اس کا اصل نام معلم کی محتاجی ہے۔ البتہ شاگردی اور طالب علمی ایک ہی چیز نہیں ہے شاگردی کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے لیکن طالب علم کے لئے مدرس کی موجودگی لازمی نہیں ہے۔ بلکہ ہر شخص کے لئے یہ ممکن بھی ہے اور مناسب بھی کہ ساری عمر خود علم حاصل کرتا رہے کیونکہ تدریس کے بعد علم تجربے

اورازخود تحقیق وتدقیق کرنے سے بھی حاصل ہوتا ہے غور وفکر سے بھی ہوتا ہے لوگوں کو دیکھ کر اور سن کر بھی ہوتا ہے لیکن کسی باشعور شخص کے لئے عمر بھر شاگردی کرنا نہ تو عام طور پر ممکن ہوتا ہے اور نہ ہی مناسب ہوتا ہے ممکن اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ عمر بھر کی شاگردی تھوڑے ہی انسان کر سکتے ہیں مناسب اس لئے نہیں ہوتا کہ جو شخص ایسا کرتا ہے اس میں خود اعتمادی باقی نہیں رہتی اور نہ وہ شاگرد کہلانے کا مستحق رہتا ہے کیونکہ یہ تو محض استاد سے عقیدت مندی اور اس کی پیروی ہو جاتی ہے۔ حقیقی شاگردی حصول علم سے زیادہ صلاحیتوں کی تربیت کے لئے ہوتی ہے تاکہ شاگرد اپنے علوم کی حدود میں توسیع کرتا رہے اور جو کچھ اس نے سیکھا ہے اس میں چار چاند لگائے محض پیروی، اور نقالی کا نام شاگردی رکھنا درست عمل نہیں جو استاد محض نقالی سکھاتے ہیں ان کے شاگردوں میں عادات واطوار وخیالات بلکہ طینت تک میں انجماد پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ کیفیت بہترین تعلیم کے تصور کے قطعی منافی ہے، بہترین تعلیم دماغ کو معلومات سے پر ہی نہیں کرتی بلکہ زیادہ تر یہ کرتی ہے کہ ہر قسم کی صلاحیتوں میں بہتر قابلیت پیدا ہو جائے اس بہتری میں سوچنا' سمجھنا' غور کرنا' نتائج نکالنا' حصول مقصد کے لئے نئے راستے تلاش کرنا اچھے برے کو سمجھنا' باریک اور نازک جو فرق ہوتے ہیں ان کو پہچاننا' اصل اور فرع میں تمیز کرنا، بکھرے ہوئے واقعات اور متفرق تجربات کو اصولوں کے رشتوں میں پرونا' دل ودماغ میں چمک اور دمک کا پیدا ہونا شامل ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان بدلتے ہوئے حالات کے سامنے بے بس نہیں ہوتا بلکہ ان کو اچھی صلاحیتوں کے ذریعے اپنے قابو میں کرتا ہے۔

بنی نوع انسان کی تعلیم کا انتظام

طریقۂ تعلیم کے مندرجہ بالا کوائف اور خصوصیات کے بیان کے بعد جب ہم بنی نوع انسان کی تعلیم کی طرف نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم کا انتظام روز آفرینش سے کر دیا تھا۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 31 میں ارشاد ہوا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔

بہت سے مفسرین کا خیال ہے کہ ساری چیزوں کا علم سکھانے سے مراد علم اشیاء کی تعلیم دینا ہے جس میں رفتہ رفتہ دنیا کی ہر چیز کا علم شامل ہو جاتا ہے اس کے بعد جب حضرت آدم کی

لغزش معاف فرما کرانہیں اوران کی بیوی کو جنت سے نکال کرزمین پر بھیج دیا تو یہاں کے لئے بنی نوع انسان کا ایک اور خاطر خواہ منصوبہ تیار کر دیا تھا بلکہ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 38 کے بموجب ان کو مطلع فرما دیا کہ:

''پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جولوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہ ہوگا۔''

تعلیم کا یہ منصوبہ بموجب مشیت ایزدی اسی وقت سے پورا ہوتا رہا ہے جب سے انسان کرۂ ارض پر بطور ایک اعلیٰ ترین مخلوقِ خدا یا خلیفہ ظاہر ہوا اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہزاروں ہادی، نبی اور پیغمبر روئے زمین پر بھیجے اور ہم کو کلام پاک کے ذریعے بتا دیا کہ ان کا ورود ہر زمانے، ہر ملک اور ہر قوم میں ہوتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ کیجیے سورۃ یونس کی آیت نمبر 47 میں ارشاد الٰہی ہے کہ:

''ہر امت کیلئے ایک رسول ہے پھر جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آجاتا ہے تو اس کا فیصلہ پورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے''

سورۃ رعد کی آیت نمبر 7 میں مزید خبر دی گئی ہے کہ:

''اے نبی! تم تو محض خبردار کر دینے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہے''

ہر ایک رہنما نے اپنی قوم کو تعلیم دی ہے لیکن سوائے رسول خدا محمد مصطفیٰ ﷺ کے کسی اور رہنما کی نظر کل بنی نوع انسان کی تدریس اور خدا کے اس تعلیمی منصوبے پر نہیں تھی جس سے آنحضرت نے عام انسانیت کو آگاہ کیا ہے کسی اور رہنما نے یہ نہیں بتایا کہ خدائے تعالیٰ جو کائنات کی پرورش کرنے والا ہے ہر زمانے کے انسانوں کی تعلیم اور ساری انسانیت کی بھی بتدریج تعلیم کا ذمّہ بھی لے چکا ہے دیگر مذاہب کے محدود طرز کے برعکس سورۃ الفاطر کی آیت نمبر 23 اور 25 میں صاف فرمان موجود ہے کہ:

''اے نبی! تم تو صرف خبردار کرنے والے ہو ہم نے تو تم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر اور کوئی ایسی امت نہیں گزری جس میں کوئی تنبیہ کرنے والا نہ آیا ہو، اب یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے گزرے ہوئے

لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں ان کے پاس ان کے رسول کھلے دلائل اور صحیفے اور روشن ہدایات دینے والی کتاب لے کر آئے تھے''

فقط اسلام ہی نے بتایا ہے کہ انسان کی تعلیم کا ایک عظیم اور ہمہ گیر انتظام خداوندی ہزاروں برس سے روئے زمین پر جاری ہے جتنے نبی اور رسول دنیا میں آئے ہیں ان سب کے نام اور ان کی پوری تعداد ہم کو بتائی نہیں گئی ہے بہت سے ایسے ہیں جن کو ذکر تک نہیں کیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوا ہے کہ:

''اے نبی! تم سے پہلے ہم بہت سے نبی بھیج چکے ہیں جن میں سے بعض کا ذکر ہم نے تم سے کیا ہے اور بعض کا نہیں کیا۔'' (المؤمن۔78)

تاہم جتنی خبر ہم کو دے دی گئی ہے اس سے یہ ظاہر ہے کہ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں ہادی اور رہبر نہیں آئے اس لئے یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کی تعداد ہزاروں کی ہوگی وہ سب اپنے وقت اور اپنے ملک کے حالات اور اپنی قوم کی استعداد کے مطابق ابتدائی تعلیم بھی دیتے ہوں گے اور ثانوی بھی اور اعلیٰ بھی۔ اگر یہ نہ ہوتا تو سارے رسولوں کی شریعت ایک ہی ہوتی۔ شاہ ولی اللہ ؒ نے اس حقیقت کو اپنی معرکۃ الآراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی جلد نمبر ایک کے سولہویں باب میں اپنے انداز خاص سے یوں بیان فرمایا ہے کہ:

''كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ ''(اللہ کا اعلان ہے کہ) ہر دن وہ ایک نرالے رنگ میں جلوہ فرما ہوتا ہے اس شان سے میری مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے تقاضے سے ادوار عالم میں تغیر آتا رہتا ہے اور ہر ایک دور کے احکام دوسرے سے جداگانہ ہوتے ہیں۔ ہر دور میں حق تعالیٰ اسی دور کی مناسبت سے اپنے احکام نافذ فرماتا ہے ــــــــــــ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک نئی شریعت نازل ہوتی ہے جو اس وقت کے حالات حاضرہ کے لحاظ سے عین مصلحت ہوتی ہے''۔

اس میں شک نہیں ہوسکتا کہ جب دنیا کے حالات بدل رہے تھے تو شریعتیں بھی بدلتی رہتیں تاکہ انسان کو اس کی حسب ضرورت ہدایات مہیا کریں اس میں بھی شک نہیں کہ مجموعی طور پر انسان کے دنیاوی اور روحانی حالات بہتر سے بہتر ہو رہے تھے۔ دنیاوی ترقی کی شاہد تاریخ عالم

ہے اور روحانی ترقی کا ثبوت یہ ہے کہ صنم پرستی کی طرف سے انسان خدا پرستی کی طرف آ رہا تھا چنانچہ شریعتوں میں بھی تغیرات کے لحاظ سے تبدیلیاں ہو رہی تھیں جیسا کہ کمال تدریس کا مانا ہوا اصول ہے۔ خدائے عزوجل نے تدریس انسانیت میں بھی تعلیم کی وہ ساری صفات اور شان برقرار رکھی ہے جو تعلیم کا حق ہے مثلاً یہ بھی اعلان کیا کہ:

''اے نبی! ان سے کہو کہ میں تمہیں بس ایک نصیحت کرتا ہوں۔ خدا کے لئے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو'' (سبا۔46)

سچی اطاعت کے نتیجہ میں تکمیل تعلیم کا وعدہ بھی ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ:

''جو ظالم ہیں ان کی زبان کسی حال میں بند نہ ہوگی تو تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو تا کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں'' (البقرۃ۔150)

ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ تکمیل نعمت کا یہ وعدہ زیب داستان کے لئے نہیں تھا بلکہ اس کو پوری احتیاط کے ساتھ پورا کیا گیا۔

بنی نوع انسان کی تعلیم میں ارتقاء کا تصور

یہ بنی نوع انسان کی تعلیم کا ایک عالمگیر انتظام تھا جس میں ارتقاء کا تصور موجود تھا۔ دراصل ہر تعلیم میں ارتقاء کا تصور لازم ہے کیونکہ تعلیم کی ابتداء ہمیشہ سادہ اور مختصر ہوتی ہے ہر ایک بچہ پہلے ا، ب، ت پڑھتا ہے۔ اس کا علم بڑھتا جاتا ہے بنی نوع انسان نے بھی اسی طرز سے پہلے ''علم اشیاء'' حاصل کیا اور دریائے علم میں آگے بڑھتا رہا۔ جدید مورخین متفق ہیں کہ انسان کا علم بہت ہی کمتر درجے سے شروع ہو کر برابر بڑھتا رہا ہے۔ اس کے لئے ہر قسم کے رہبر بھی اس کو ہر زمانے کے تمدن کے معیار کے مطابق ملتے رہے روحانی تعلیم بھی اس کے ذہن اور اس کی صلاحیت کے لحاظ سے اس کو فطرت یا قدرت کی طرف سے بتدریج ملتی رہی۔ انسانی تہذیب کی تاریخ بہت سے مورخین نے لکھی ہے جن میں سے ہم آسانی ابن خلدون، لوئبنی اور کروبر کی لکھی ہوئی تاریخوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں اور دیکھ سکتے ہیں کہ نسل انسانی نے کس طرح علم، ہنر، معاشرت اور صنعت و حرفت میں ترقی کی ہے دنیا کا وجود لاکھوں برس سے ہے لیکن انسان کی محض پانچ ہزار برس کی تاریخ کا ہم کو علم ہے اس سے پہلے کی تاریخ ایک خیالی کہانی ہے۔ جسے اہل علم نے سوچ بچار کے بعد تیار

کیا ہے۔اوراپنے گمان سے ابتدائی تاریخ کو پتھر، تانبےاورلوہے کے زمانوں میں تقسیم کیا۔اس کے بعد کی تاریخ میں مختلف قسم کے واقعات کا بیان ہے۔ پہلے قدیم مما لک، جیسے مصر، بابل، چین، ہند، یونان اور روم کا ذکر ہوتا ہے۔ پھر تاریخی لحاظ سے مغرب کے تاریک زمانوں کا، جبکہ مشرق وسطیٰ میں اس وقت اسلام کی بدولت روز روشن کا سماں تھا۔انسانی تہذیب وتمدن کی جو تاریخیں ہمیں ملتی ہیں ان کے ابتدائی حصے خیال آرائی، دفن شدہ عمارتوں، ٹوٹے پھوٹے برتنوں، زیورات اور ہتھیاروں کے ٹکڑوں اور مذاہب کی کتابوں کی مدد سے تیار کئے گئے ہیں انہی تاریخوں میں انسان نے جو دینی اور دنیاوی علوم حاصل کئے ہیں ان کی تاریخ بھی شامل ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو ابتداء سے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ جو تعلیم دی اس کی تاریخ بھی اسی میں ہے اور نہایت نامکمل حالت میں میسر ہے ابتداء میں جو نبی اور رسول آئے اور اللہ کی طرف سے ہدایات لائے ان کی اصل کتابیں انسان نے ضائع کر دی ہیں۔ابھی تک یہ معلوم نہیں ہے کہ شروع میں انہوں نے کیا کیا ہدایات اور کیا کیا تعلیمات دیں۔ان میں آپس کا کیا فرق تھا اور ہر ہر ہادی کے زمانے میں کیا ترقی ہوتی رہی۔

ان کا ایک سلسلہ تو مشرق وسطیٰ میں ظاہر ہوا جو حضرت آدم علیہ السلام کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔لیکن بہت سے دیگر سلسلے دوسری اقوام، مما لک اور زمانوں میں پائے جاتے ہیں کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی گوشہ ارض ایسا نہیں رہا جہاں ہادی پیدا نہ ہوئے ہوں۔اس میں کوئی تعجب کی بات ہی نہیں۔کیونکہ باشعور انسان میں روحانی تلاش یا کم از کم امنگ اور اپج پائی جاتی ہے۔ یہ آرزو خوف اور امید کے زیر اثر بڑھتی رہتی ہے ان احساسات اور جذبات کی رہبری کرنا انسان کی روح اور اس کے ضمیر کی مدد کرنا تھا۔جس کی ذمہ داری اللہ تبارک تعالیٰ نے لے لی تھی اور جسے اس نے ہزاروں ہادی اور رہبر بھیج کر پورا کیا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر زمانہ میں جو بھی قوم کسی ملک میں نمودار ہوئی اس کا رہبر ضرور ہوا۔

ایشیاء و یورپ اور افریقہ میں تو بڑے بڑے رہبر اور ہادی پیدا ہوئے ہیں۔لیکن امریکہ اور آسٹریلیا کے اصلی باشندوں کو وہ روحانی عروج حاصل نہیں ہوا وہاں جو یورپین جا کر آباد ہوئے وہ اپنے اعتقادات میں مصروف رہے جب وہاں کی روحانی تاریخ لکھنے کا وقت آیا تو ان

مصنفین کی دلچسپی روحانیت سے ہٹ کر علم بشریت اور حیاتیات کی طرف منتقل ہوگئی تھی اس کے برخلاف ہم مشرق وسطیٰ میں روحانی تاثرات اوران کی گہرائی کے لحاظ سے حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور حضرت محمد ﷺ جیسی عظیم اور برگزیدہ شخصیتوں کی کارفرمائی دیکھتے ہیں۔ چین میں کنفیوشس، ہندوستان میں گوتم بدھ، سری کرشنا اور رام چندر، ایران میں زرتشت، یونان میں ارسطو، سقراط اور بقراط کے اثرات موجود ہیں یہ ان چند بزرگوں میں سے ہیں جن کے ناموں کے ساتھ عظیم کتب الٰہی کے ظہور کا یا بڑے بڑے مکاتب خیال کی وابستگی کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ نہ بدھ مت اور نہ ہندومت، نہ زرتشت یا پارسی مت نہ صحیفہ ابراہمی نہ داودی نہ سلیمانی نہ موسوی، نہ عیسوی اب دنیا میں اصلی حالت میں موجود ہے۔ صحیفہ ابراہیمی، داؤدی اور سلیمانی تو قطعی مفقود ہیں بعض کے اجزاء تیار کر کے اوران کو ادل بدل کر جو کتب بنا دی گئی ہیں ان ہی کو ابتدائی کتابیں سمجھا جاتا ہے ہندومت کی کتب مثلاً ویداور اپنشد کے متعلق تو یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کو کس نے تیار کیا یا کرایا تھا توریت اور انجیل کے متعلق بھی پورے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی اصلی شکل کیا تھی اور وہ کس زبان میں تھیں یہ بھی خبر نہیں کہ اصلی کتابیں گئی کہاں۔ مختصر یہ کہ ساری کائنات اور سارے مذاہب کی تاریخ میں فقط ایک کتاب ''قرآن'' ہے جس کو شروع سے خدا کی کتاب کہا گیا۔ اور جو اصلی زبان میں بلاردوبدل اس وقت بھی موجود ہے بس اس کے متعلق پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ یہ وہی کتاب ہے جو حضور ﷺ پر نازل ہوئی تھی اور جس کو آنحضرت نے خدا کا پیغام فرما کر ہمارے درمیان چھوڑا ہے۔

یہ تو ان مذاہب کا ذکر ہے جو دنیا کے سب سے زیادہ مشہور مذاہب ہیں جو مذاہب مٹ گئے اوران کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا ان کا ذکر ہی بیکار ہے وحشیوں کے وہ مذاہب جو محض توہمات اور رسوم کا مجموعہ ہیں وہ بھی قابل ذکر نہیں ہیں یہ ایک دلچسپ بحث ہے کہ اعلیٰ ترین مذاہب کون سے ہیں اور نچلے درجے سے کون سے سمجھنے چاہئیں۔ کیونکہ اس کی پہچان آسان ہونے کے باوجود اختلافات سے مفر نہیں ہے بعض مذاہب ایسے ہیں جن میں جادوٹونے، لمبے لمبے رسوم، توہمات، ہر بات پر کفارے، ہر بات پر نذرانے، سزا اور جزاء کی بے یقینی کی وجہ سے اس

قدر خوف و ہراس کہ کسی اچھے عمل کے نتیجہ کی امید نہیں رہتی، روح کو کارخانہ قدرت سے ہم آہنگی نصیب نہیں ہوتی اس لئے نہ دل کو سکون ہوتا ہے اور نہ قادر مطلق سے ہم رشتگی پیدا ہوتی ہے۔ ایسے مذاہب اعلیٰ درجے کے مذاہب کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ توہمات اور بے اصولی طریق زندگی کے نمونے ہوتے ہیں ان کے برعکس جدید دنیا سائنسی رجحان رکھتی ہے اور اسباب وعلل نیز دینی اور دنیاوی منازل کی تلاش میں رہتی ہے اس خواہش اور ضرورت کو اہل مذاہب میں سے مغرب کے یہودیوں نے اور مشرق بعید میں بدھ مت کے جدید پیروکاروں نے سب سے زیادہ سمجھا ہے اس زمانے میں یہ بات کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ اب روحانی تسکین کی تکمیل کے لئے دنیاوی عمل بھی ضروری ہے کیونکہ مشیت ایزدی اپنے بنائے ہوئے قانون یعنی قوانین قدرت کے مطابق ہوتی ہے اس کے برعکس وہم اور وسواس، ٹونے اور ٹوٹکے قوانین قدرت کی وقعت کو کھو دیتے ہیں۔ آنے والے زمانے میں ان کا مقام کم سے کم تر ہونا لازمی ہے آج کل کی دنیا نے قوانین کی جو کرامات دیکھی ہیں ان سب سے بڑھ کر کوئی منی یارشی کیا دکھائے گا۔ ریڈیو اور ٹی وی کے کمالات، چاند پر چل پھر کر واپس آ جانا، پانی کو اس طرح گرم کرنا کہ برتن ٹھنڈا ہی رہے، بڑے بڑے حسابات کی الجھی ہوئی یادداشتوں کے خلاصے ایک بٹن دبا کر بتا دینا۔ ان کے علاوہ ایسی بے پناہ طاقت جس کے آگے سینکڑوں دیو اور جن مجبور اور عاجز ہوں یکسر موجود ہیں، صدیوں پہلے کچھ بھی ہوا ہو اس زمانے میں کوئی مذہب خصوصاً کوئی نیا مذہب کسی بازیگر یا نظر بندی کے کمالات سے کامیاب نہیں ہو سکتا اب وہ طریقے قابل غور نہیں ہیں۔ آج کل اور آنے والے وقتوں میں جو چیزیں غور طلب ہو سکتی ہیں وہ اصل دین اور مقصد دین ہے۔

فی الوقت غور وخوض کے لئے جو مانے ہوئے اعلیٰ درجے کے مذاہب ہیں ان کی تعداد تین ہے۔ یہودیت، عیسائیت اور اسلام لیکن ہندومت اور بدھ مت کے پیروؤں کی اس قدر کثیر تعداد ان کو سچا مذہب مانتی ہے کہ ان کو بھی بڑے بڑے مذاہب میں شامل کر لینا مناسب ہے۔ بعض لوگ سنتو طریقوں کو بھی مذہب کہتے ہیں مگر اس میں روحانیت سے زیادہ دیومالا پایا جاتا ہے اور وطنیت کا تصور ہے۔ پارسی مذہب یا مجوسیت کا اثر دنیائے اعتقادات پر بہت گہرا پڑا ہے اس لئے اس کو میں نے اپنی فہرست میں شامل کر لیا ہے اس طرح کل چھ عظیم ترین مذہب اس وقت دنیا

میں رائج سمجھے جاتے ہیں۔

1۔	ہندومت	جو	3500 برس ہوئے کہ دنیا میں آیا
2۔	یہودیت	//	3400 // // // // // // // //
3۔	پارسی مذہب	//	2600 // // // // // // // //
4۔	بدھ مت	//	2500 // // // // // // // //
3۔	عیسائیت	//	2000 // // // // // // // //
3۔	اسلام	//	1400 // // // // // // // //

آخری پیغام ہونے کا دعویٰ اور اس کی نوعیت

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا اور نہ کرتا ہے کہ اسلام دنیا کے اعلیٰ ترین مذاہب میں سے ہے بلا مبالغہ ہر ایک فلسفی، ماہر مذہبیات اور مؤرخ اس حقیقت کا قائل ہے کوئی انسائیکلوپیڈیا، کوئی مستند تاریخ عالم یا تاریخ مذاہب عالم اٹھا کر دیکھ لیجئے۔اس میں آپ کو یہ امر تسلیم شدہ ملے گا کہ اسلام دنیا کا ایک عظیم ترین مذہب ہے۔ یہ بات بھی صاف ظاہر ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر اب تک سینکڑوں چھوٹے بڑے مذاہب دنیا کے مختلف خطوں اور گروہوں میں ظاہر ہوئے جو تھوڑے تھوڑے انسانوں کے گروہوں اور محدود علاقوں میں اثر پذیر رہ کر مفقود ہو گئے فی زمانہ دنیا میں جن مذاہب کا بول بالا ہے۔ان میں مغربی اطلاعات کے مطابق معتقدین کی تعداد میں پہلا نمبر عیسائیت کا ہے، دوسرا اسلام، تیسرا نمبر ہندومت کا اور چوتھا نمبر بدھ مت کا ہے۔ باقی مذاہب کے پیروؤں کی تعداد مقابلتاً کم ہے۔لیکن موتمر اسلامی کی تحقیق کے مطابق، مغربی اطلاعات اس معاملہ میں نا قابلِ اعتبار ہیں کیونکہ جو تعداد ان سے ظاہر ہوتی ہے اس سے مسلمانان عالم کی اصلی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔اتنی زیادہ کہ مسلمانوں کی تعداد عیسائیوں کی تعداد کے لگ بھگ ہے۔

جوش وخروش کے لحاظ سے آج کل یہودیت اور اسلام سب سے آگے ہیں۔ یہودی صدیوں تک سرنگوں رہنے کے بعد اب یکا یک سیاست کے میدان میں ایک عیسائی ملک یعنی امریکہ کے ایجنٹوں کے طور پر کارنامے دکھا رہے ہیں۔عیسائیوں نے مذہبی تعلقات سے درگزر

اختیار کر لی ہے۔ کیونکہ اب ان کو مذہب سے زیادہ اپنی صنعت وحرفت میں کمال حاصل کرنے اور اپنے جمہوری طرز حکومت پر فخر ہے۔ بدھ مت سوائے چند فعال پیروؤں کے عام طور پر صدیوں سے خاموش تماشائی ہے اور ہندومت کا تعلق آج کل سوائے چند اقسام کے سماجی مسائل کے جیسے گاؤکشی اور فرقہ وارانہ فسادات، باقی سب طرح سیکولرازم کو مناسب حال گردانتا ہے۔ یہودی مذہب مقابلے میں کسی کا مدمقابل نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے عقائد میں مذہب کی تبدیلی کا اصول ہی نہیں ہے۔ کوئی شخص جو یہودی نسل سے نہیں وہ یہودی نہیں بن سکتا۔ اس کے برعکس اسلام مذہبی لحاظ سے بھی سارے دیگر مذاہب کا مدمقابل ہے اور سیاست کے میدان میں بھی تمام مذاہب سے زیادہ سرگرم عمل ہے بظاہر سیاست میں سب سے زیادہ کامیاب عیسائی ہیں۔ مگر ان کے نزدیک اور باقی ساری دنیا کی نظر میں یہ کامیابی عیسائیت کی نہیں بلکہ مغربی تہذیب کی ہے جس میں ان کے قریب ہی اشتراکی روش بھی ہے مغربی تہذیب کی بنیاد مذہب نہیں بلکہ صنعت کاری ہے۔

مندرجہ بالا خصوصیات کے ساتھ تاریخی لحاظ سے اسلام سب سے آخر کا عظیم مذہب ہے اور اس نے یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ وہ اللہ کا آخری پیغام ہے یہ دعویٰ کھلے الفاظ میں کیا گیا ہے اور اس پر مسلمان فخر کرتے ہیں یہاں تک کہ جب علامہ اقبالؒ انہیں عمل پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ:

؎ بے خبر تو جو ہر آئینہ ایّام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

جب کسی مسلمان کو خداوند تعالیٰ کی یہ آخری امانت یاد آ جاتی ہے تو اس کے دل میں احساس تشکر اور فخر کے جذبات ابھرنے لگتے ہیں اور وہ اپنی ہستی کو دنیا پر اللہ کا احسان سمجھنے لگتا ہے اس کی زبان پر بے ساختہ وہ کلمے آ کر الفاظ کی کمیابی سے رک جاتے ہیں جن کو اقبال کی نوا سنجی اس کے اپنے ہی دل کی آواز بنا دیتی ہے وہ جھوم جھوم کر پڑھتا ہے:

1۔ دہر میں غارت گر باطل پرستی میں ہوا
2۔ حق تو یہ ہے حافظ ناموس ہستی میں ہوا
3۔ میری ہستی پیرہن عریانیِ عالم کی ہے

4۔ میرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدمؑ ہے

اس سے پہلے کہ اس دعویٰ کی اسناد پیش کی جائیں یا وجوہ افتخار کو بیان کیا جائے یہ جتا دینا ضروری ہے کہ کسی اور مذہب نے جو دنیا میں آیا کبھی اعلانیہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ بنی نوع انسان کے لئے اللہ کا آخری پیغام لے کر آیا ہے۔ کسی کے لئے اب سے چودہ سو برس پہلے یہ دعویٰ کرنا بھی ناممکن تھا کیونکہ ہر قد وقامت کے مذاہب کی کثرت دیکھ کر کس کو ایسا خیال آ سکتا تھا کہ اس کا مذہب آخری ہے۔ اگر کوئی یہ دعویٰ کرتا بھی تو جلد ہی دنیا کے واقعات اس کی تردید کر دیتے۔ بڑے سے بڑا مذہب بھی ایسا دعویٰ کرتا تو خود اسلام کا ظہور اس کو مٹا دیتا۔ ان سب باتوں کے علاوہ آخری مذہب ہونے کا دعویٰ کرنے سے کسی کو فائدہ بھی کیا تھا۔ جبکہ آخری ہونے کے اوصاف ہی کی مدعی کو خبر نہ تھی۔ میں نے ہنود کو سب سے پرانے مذہب کے پیرو ہونے پر فخر کرتے دیکھا ہے یہودی اس پر فخر کرتے ہیں کہ عیسائیت اور اسلام جیسے عظیم مذاہب اسی سرچشمہ سے سیراب ہوئے اسلام اس سے کلیتاً انکار نہیں کرتا۔ مگر اللہ کا آخری پیغام ہونے کو اس سے بہت بڑا وصف سمجھتا ہے۔ یہ ایک حیرت انگیز قسم کا جرات مندانہ اقدام تھا کہ آج سے ایک ہزار چار سو برس پہلے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسلام نے یہ اعلان کر دیا کہ اب کبھی اللہ کا پیغام انسان کے لئے بذریعہ وحی نہیں آئے گا۔ کوئی دعویٰ اپنی سچائی کا خود ثبوت نہیں ہوتا۔ لیکن بعض دعوے نادر و نایاب ہونے کی حیثیت سے حیرت انگیز ہوتے ہیں یقین نہیں آتا کہ ایسا دعویٰ کرنے کی جرات جو ایک پیش گوئی بھی ہے بغیر کسی مضبوط بنیاد کے کی گئی ہوگی۔ اگر تائید غیبی شامل نہ ہوتی تو اس دعویٰ کے کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ہاں ضرورت تھی تو اس لئے کہ مشیت ایزدی کو نوع انسان کے واسطے ایک آخری چارٹر اور خوش خبری کا اعلان کرنا تھا۔ ورنہ خود رسول خدا کو تو ان کے معتقد سارے گزرے ہوئے بڑے بڑے نبیوں اور رسولوں کی امتوں کی طرح سب سے بڑا ہادی مانتے ہی رہتے۔

یہ حقیقت اس حد تک عیاں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کی خبر دیدی تھی پھر بھی یہودی اپنے ہی پیغمبر کو آخری رسول تسلیم کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محمد ﷺ کی رسالت کی اطلاع دیدی تھی پھر بھی عیسائی اپنے ہی نبی کو آخری نبی گردانتے ہیں ان حالات میں پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ آیا قرآن کریم نے واقعی اپنے متعلق آخری پیغامِ خدا ہونے کا

دعویٰ کیا بھی تھا کہ نہیں اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بیشک یہ دعویٰ کیا تھا اور صاف صاف الفاظ میں کیا تھا۔سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 40 میں ارشادِ الٰہی ہے کہ:

''محمد (ﷺ) ــــــــــــــ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں''

کتب احادیث میں بموجب متعدد روایات خود رسول اللہ ﷺ کی زبانی ایسے کلمات موجود ہیں جو اسلام کے اس مرتبہ کی تائید کرتے ہیں ایک بہت صاف اور صریح روایت ترمذی شریف میں یہ ہے کہ:

''بیشک رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی میرے بعد نہ کوئی رسول اور نہ کوئی نبی ہے''

مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی تالیف ''ختم نبوت کامل'' میں ننانوے آیات قرآنی اور دو سو نو احادیث ختم نبوت کی تائید میں نقل کر کے دعویٰ احمدیت کی تردید فرمائی ہے احمدیت کے خلاف ان کا طریقہ تکلم اس وجہ سے صحیح ہے کہ احمدی عقیدے کے لوگ کلام پاک اور رسالت دونوں کو سچا مانتے ہیں مگر اپنے نبی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں لیکن ان اسناد کو زیر نظر تحریر میں دہرانے کی اس وجہ سے ضرورت نہیں ہے کہ دعوے کی تائید میں مدعی کے اپنے کلمات دعویٰ کی تکرار سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے کلام پاک اور احادیث ہی میں تو ختم نبوت کا دعویٰ کیا گیا ہے اس کی تائید میں انہی احکام اور اقوال کو پیش کرنے سے بات آگے نہیں بڑھتی اس وقت ہمارا مقصد عقل اور تاریخ کی مدد سے ثابت کرنا ہے کہ اسلام کا یہ دعویٰ ہے اور سچا ہے کہ انسانیت کے لئے قرآن' اللہ کا بھیجا ہوا مکمل دستور ہے جس کو اس کا سب سے بڑا اور آخری سفیر لے کر آیا اس کے بعد اللہ کا کوئی اور پیامبر نہ آیا اور نہ آئے گا۔اس بیدھڑک دعویٰ کو دیکھ کر ایک تعجب خیز حقیقت یہ سامنے آتی ہے کہ ایسا دعویٰ اسلام سے پہلے کسی اور مذہب یا اس کے رہبر نے کیا تھا تو کیا اس کی وجہ یہ نہیں ہو سکتی کہ آخری پیغام کی جو صفات ہیں ان کا تصور بھی پہلے کے ادوار میں ودیعت نہیں ہوا تھا؟ نہ ایسے پیغام کی اہمیت کا احساس پیدا ہوا تھا نہ گزشتہ معتقدات واقعتاً انسان کے لئے آخری مذاہب تھے، نہ ان کے ماننے والوں کو ہی ایسا خیال آیا تھا۔

آخری پیغام کی چند خصوصیات

یہ کہنا تو آسان ہے کہ گزشتہ ادوار میں اس کی خبر ہی کسی کو نہ تھی کہ آخری پیغام کی کچھ

صفات بھی ہوئی ہیں لیکن ان صفات کو پوری طرح سے پہچاننا اب بھی آسان کام نہیں ہے کیونکہ کوئی انسان اس سے زیادہ نہیں سمجھ سکتا کہ جو وہ دیکھتا ہے، جانتا ہے، قیاس کرسکتا ہے، اندازہ کر سکتا ہے اور تصور کرسکتا ہے نیز ان ذرائع کی مدد سے جو نتیجے نکالے جاتے ہیں ان کی صحت کا بھی تو یقین نہیں ہوتا۔ مثلاً ہر مذہب کے اب بھی ایسے پیرو موجود ہیں جو سختی سے قواعد کی پابندی کروانے کو اپنے مذہب کی بقاء کے لئے ضروری سمجھتے ہیں ان کو اس سے سروکار کم ہے کہ قواعد میں کوئی روح باقی بھی رہی ہے یا نہیں حالانکہ رسوم اور الفاظ پر اس قسم کا اصرار اعلیٰ روحانیت کی گواہی نہیں دیتا۔ جتنے ابتدائی مذاہب تھے ان میں لفظی اور رسمی پابندیوں کی فراوانی تھی وہ رسم ورواج، جادوٹونے، الفاظ کو اس طرح اور اس طرح دہرانے کے قائل تھے بلکہ اس کام میں بھی مشین کی طرح الفاظ اور رسوم کے اول وآخر کی پابندی قائم رکھنے کو اصل مذہب سمجھتے تھے۔ اسلام کا ظہور ہوا تو اس افتادِ فکر میں یکسر انقلاب آ گیا۔ معبودِ حقیقی نے بتایا کہ اس کی پرستش کی روح ظواہر نہیں بلکہ پاک زندگی ہے آج سے چودہ سو سال پہلے خدائے علیم نے حتمی اعلان فرمادیا کہ:

''اللہ کو تمہاری قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمہاری نیکیاں پہنچتی ہیں''

(الحج۔37)

''نیکی یہ نہیں ہے کہ تم (نماز کے لیے) اپنے چہرے مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف''(البقرۃ۔177)

اسلام کی یہ شعاعیں ہر ایک نمائش اور بناوٹ کو جلا دینے والی ہیں۔ دنیا اور عقبیٰ میں عزت اور احترام حاصل کرنے کا واحد ذریعہ نیک اور پاک زندگی ہے رنگ، پیشہ، نسل، جاہ، منصب، وطن اور طرح طرح کی گروہ بندیوں سے جو امتیازات پیدا ہوتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے ٹوٹ کر پارہ پارہ ہوجاتے ہیں کس قدر مختصر اور کھلا ہوا ارشاد ہے:

''اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ انسان ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے''(حجرات۔13)

تقویٰ کو اصطلاحی حجتوں سے بلند کرنے کے لئے رسول اکرم ﷺ کا وہ ارشاد ہمیشہ بلند ترین تصور پیش کرتا رہے گا جس کو معتبر راویوں نے آنحضرت ﷺ سے منسوب کیا ہے اور جو بہ

الفاظ مولانا حالی یہ ہے کہ:

تورّع کا ہے ذات میں جن کے جوہر
نہ ہوں گے کبھی عابد ان کے برابر
کرو ذکر اہل ورع کا جہاں تم
نہ لو عابدوں کا کبھی نام واں تم

تورع کے معنی ہیں وہ پارسائی جس کا تعلق ارادوں سے اور باطنی کیفیت سے لے کر ظاہری اطوار تک ساری زندگی سے ہوتا ہے اس کے مقابلے میں عبادت بندگی کے آداب احکام کو پورا کرنے کا نام ہے، عبادت کا تعلق عمل سے زیادہ ہے اور باطنی کیفیات سے مقابلتاً کم۔

غور فرمائیے کہ نیک اور پاک زندگی کا تصور بلند سے بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے، رسوم، رواج، لفظی، اصلاحی اور ظاہری پابندیاں کم سے کمتر ہوتی چلی جاتی ہیں یہاں تک کہ پاکی کا تصور زمان ومکان کی حدود سے بلند تر نظر آنے لگتا ہے سب منزلیں اور مقاصد اسی نقطہ کی طرف راجع ہیں جس طرف بڑھنے سے اختلافات مٹتے چلے جاتے ہیں اور راہیں سمٹ کر تفصیلات سے گزرتی ہوئی اس مرکز پر پہنچتی ہیں جہاں انسان اللہ کی مرضی سے بلا ظاہری رکاوٹوں کے قریب ترین ہو جائے۔

تعجب یہ ہوتا ہے کہ مذاہب کی اصطلاحی کشمکش اور جذباتی نفرتوں کے درمیان رسم ورواج کی تقلید، الفاظ پر اصرار اور حرکات وسکنات کی پابندیوں پر زور دینے کی دھوم دھام کے عالم میں ایک ایسا ہادی بھی اس دنیا میں ظاہر ہوا جس کی تعلیم نے مذہب کی روح اور اس کے جسم میں صاف صاف تمیز کر کے دکھا دیا، جتا دیا کہ دین ایک چیز ہے اور شریعت دوسری چیز دین اصل ہے شریعت شاخ، دین مقصود ہے شریعت منہاج، دین حاصل مطلب ہے شریعت طریقہ اظہار، دین کعبہ دل ہے شریعت رہروی کا رخ۔ اس فرق کو یہ بتا کر واضح کر دیا کہ روئے زمین پر ازل سے جتنے دین آئے خواہ دنیا کے کسی خطے میں آئے اور کسی قوم کے لئے آئے اور کسی بھی زمانے میں وہ سب سرتاسر ایک ہی لڑی میں پروئے ہوئے ہیں، ارشاد ہوا کہ:

''بلاشبہ یہ بات (جو کلام پاک میں ہے) اگلے صحیفوں میں تھی یعنی ابراہیم اور

موسیٰ کے صحیفوں میں'' (الاعلیٰ)

''اور یہی سارے پیغمبروں کی کتابوں میں تھا'' (الشعراء۔11)

''(اے محمد) تجھ سے (اس کتاب میں) وہی کہا گیا ہے جو تجھ سے پہلے آنے والے نبیوں سے کہا گیا تھا'' (حٰمٓ سجدہ۔5)

مندرجہ بالا مضمون کی بہت سی آیات کلام مجید میں موجود ہیں جن سے عیاں ہے کہ روز اول سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی نوع انسان کو ایک ہی پیغام بھیجا ہے لیکن ہزاروں برس تک اس حقیقت کی خبر بنی نوع انسان کو پختہ طریقہ سے نہ ہوسکی اور نہ پہلے ہادی، نبی یا رسول اس کو صاف بتا سکے کیونکہ وہ تو اپنے وقتوں اور خطوں میں جزوی خدمت انجام دینے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ جب اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ آئے تو ایسا مصحف لائے جس نے اس کی کل حقیقت کو جو ہزاروں برس سے اور سارے کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی تھی آشکار کر دیا ان ساری کڑیوں کو جو ہدایات انسانی کی تاریخ میں بکھری ہوئی تھیں ملا کر ان کا ایک سلسلہ قائم کر دیا بلکہ ان کا خلاصہ بھی کر کے دیدیا۔ وہ خلاصہ بلاشبہ وہی دین ہے جو ادیان میں مشترک ہے۔ اللہ نے حکم دیا کہ

''اے مسلمانو! تم کہو کہ ہم خدا پر اور جو کچھ ہماری طرف اتارا گیا اس پر اور جو کچھ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور خاندان یعقوب کی طرف اتارا گیا اس پر اور جو کچھ موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اس پر اور جو سب پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا ہم ان سب پر ایمان لائے'' (البقرۃ۔136)

اگر دنیا کے مذاہب کی مشترکہ تعلیمات کا خلاصہ تیار کیا جائے اور ہر طرح کے دیگر اعلانات کو نظر انداز کر دیا جائے پھر اس خلاصے کو مقطر کر کے اس کا بھی عطر لیا جائے تو بس دو بنیادی ہدایات برآمد ہوتی ہیں۔

ایک یہ کہ کل کائنات ایک ہی اعلیٰ ترین طاقت کے عمل کا نتیجہ ہے اور دوسرے یہ کہ اچھی زندگی بسر کرنے پر انسان کو آمادہ کرنا ساری تعلیمات کا واحد مقصد ہے ان ہی دو عقائد کا نام توحیدِ خداوندی اور تقویٰ کی زندگی ہے۔ یہ آفاقی نظریہ، یہ ستھرا خیال یہ بلند نگاہی اور تعلیمات کی غرض وغایت کی ایسی مختصر اور سچی کسوٹی انسان کو بخشنا کسی ایسے مذہب کے لئے ناممکن تھا جو ساری

انسانیت کے واسطے اور ہمیشہ ہمیشہ کے نہ آیا ہو توحید اور تقویٰ ہی اصل دین ہے اس مقصد کو حاصل کرنے اس کو قائم رکھنے اور اس کو ترقی دینے کے لئے ہر زمانے میں حالات کے لحاظ سے مختلف راستے اور طریقے بتائے گئے ہیں وہ طریقے ان خاص مذاہب کی شریعتیں ہیں۔ ان کا درجہ دین واحد کے مقابلے میں دوسرے نمبر پر ہے۔

دین ایک ہونے کی تائید میں چند آیات اوپر درج کی جا چکی ہیں مزید آیات جو اس اصلیت کی تائید کرتی ہیں اس قسم کی ہیں جیسی سورۂ بقرۃ کی آیت نمبر 62 جس میں مختلف شریعتوں کی جو اصل ہے اس کی طرف توجہ دلائی گئی ہے الفاظ میں تاکید اور بیان میں جو پختگی نمایاں کی گئی ہے وہ غور وفکر سے تعلق رکھتی ہے۔ حکم ہوا ہے کہ

''یقین جانو کہ نبی عربی ﷺ کے ماننے والے ہوں یا یہودی، عیسائی ہوں یا صابی جو بھی اللہ اور روز آخر پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اس کے لئے کسی خوف اور ملال کی وجہ نہیں ہے''۔

غور فرمایئے کہ کوئی کسر اس بات کو جتا دینے میں نہیں چھوڑی گئی ہے کہ مقصد اوّل خدا کی پرستش اور نیک زندگی ہے اس منزل کو حاصل کرنے کے لئے جو اختلافات راستوں میں ملتے ہیں ان کی وہ اہمیت نہیں ہے جو منزلِ مقصود کی ہے چنانچہ مذکورہ بالا سورۃ کی آیات نمبر 111 اور 112 میں جو صاف صاف اعلان ہے اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک سب اہل مذہب کو جتایا گیا ہے۔

''ان کا یعنی (یہودیوں کا اپنی بابت اور عیسائیوں کا ان کی بابت) کہنا ہے کہ سوائے یہودیوں کے یا عیسائیوں کے کوئی جنت میں نہیں جائے گا۔'' محض (ان کے دل کی) خواہشات ہیں۔ ان سے کہو کہ اپنی دلیل پیش کرو اگر تم سچے ہو۔ (دراصل نہ تمہاری کچھ خصوصیت ہے نہ کسی اور کی) حق یہ ہے کہ جو بھی اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں مصروف کر دے اور عملاً نیک روش پر چلے۔ اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لئے کسی خوف وملال کی وجہ نہیں ہے''۔

مندرجہ بالا ارشادات نے دین کی اصل یا جڑ کو نمایاں کر دیا ہے۔ مختلف شریعتیں اس

درخت کی شاخیں ہیں جو عالم وجود کے تغیر وتبدل کی ان سے جونسبت ہے اس کو ظاہر کرتی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ کے سارے اور ہر زمانے کے بندوں کی ایک ہی شریعت ہوتی۔ ان کی کتب مقدسہ میں کہیں فروعی اختلاف تک نہ ہوتا ان میں جو فرق ہے ان کی فروعی حقیقت کو نہ پہچاننے سے آپس میں سخت اختلافات بلکہ دشمنیاں پیدا ہوگئیں ہیں۔ اس بھول کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات دین اور شریعت کو برابر گردان لیا گیا حالانکہ دین روح ہے اور شریعت اس کا جسم ہے۔ جسم کو مجروح نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اللہ نے ایک جان اور متعدد قالب پیدا کئے کیونکہ اس میں مصلحت جسم کے ارتقاء کی تھی۔

دین کے ایک ہونے میں کوئی شک و شبہ نہ ہوتا اگر اہل مذاہب نے بلکہ ان کے قائدین نے اس میں تبدیلیاں کر کے اپنے اپنے مذاہب کو اپنی حسب مرضی مسخ نہ کر دیا ہوتا اس زمانے میں کوئی باخبر شخص اس واقعہ سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہندومت, بدھ مت, یہودیت اور عیسائیت کی وہ دینی کتابیں اب اصلی حالت میں موجود نہیں ہیں جن کو ان مذاہب کے اولین ہادیوں نے ان کو دیا تھا۔ قدیم ترین مذاہب کی اصلی کتابوں کی تو پوری طرح خبر تک نہیں ہے بعد کے مذاہب کی کتب جیسے بائبل کو جس میں توریت اور انجیل شامل ہیں۔ جان بوجھ کر بدلا گیا ہے۔ بلکہ یہ عمل اب تک جاری ہے جو کتابیں مذاہب کی اب تک موجود ہیں ان میں سینکڑوں تبدیلیوں کا ہونا تاریخ مذاہب سے ثابت ہے اور یہی کلام پاک کا ارشاد بھی ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ:

''ابتداً سارے انسان ایک ہی امت تھے بعد میں انہوں نے مختلف عقیدے اور مسلک بنا لئے۔'' (یونس۔18)

سارے انسان ایک امت اس طرح تھے کہ سب کسی نہ کسی صورت سے ایک ہی حاکم اعلیٰ کو ظاہر و باطن کا مالک وقادر تسلیم کرتے تھے اور نیک زندگی بسر کرنے ہی کو صحیح طریقہ حیات جانتے تھے۔ بعد میں جب کچھ تفصیلات کے ساتھ ہدایات آئیں تو ان کے خیالات میں تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ ان تبدیلیوں کی اصلیت یہ تھی کہ ہدایات میں طرح طرح کی حجتیں نکالی گئیں جو ان ہدایات میں آمیزش کا سبب بن گئیں۔ چنانچہ کلام اللہ نے اپنے آخری رسول کو اطلاع دی کہ:

''اور اے محمد ﷺ! تم سے پہلے ہم نے نہ کوئی رسول ایسا بھیجا ہے نہ نبی (جس

کے ساتھ یہ ماجرا نہ گزرا ہو) کہ جب اس نے ہدایت دی تو سرکش مخلوق نے اس میں خلل ڈال دیا ہو۔ اس طرح جو خرابیاں ڈالی جاتی تھیں ان کو اللہ (مزید رسول بھیج کر) درست کر دیتا'' (الحج۔56)۔

تعجب کی بات ہے کہ اختلافات نادانوں نے نہیں بلکہ خود ہدایت پانے والوں نے پیدا کئے۔ یہ حقیقت بھی خدا پر خوب روشن ہے۔ اسی کا اعلان ہے کہ:

'' اختلاف ان لوگوں نے کیا جنہیں حق کا علم دیا جا چکا تھا انہوں نے روشنی ہدایات پا لینے کے بعد محض اس لئے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکال لئے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے۔'' (البقرہ ۔213)

یہ خرابیاں سارے عالم انسانیت میں پیدا ہو گئیں چنانچہ ان کی درستی کے لئے ایک نبی اخیر میں بھیجا گیا اس نے کسی ایک قوم ایک ملک یا ایک مذہب کی بات نہیں کی بلکہ ساری دنیا کو مخاطب کر کے ہدایات کی اصل اور فروعات بتا دیں۔ جس سے وحدت دین کی استقامت اور شرائع میں تغیر و تبدل کا راز کھل گیا اور اسی کے ساتھ کل بنی نوع انسان کی تدریس کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اسلام سے پہلے یہ روحانیت کی تاریخ اور تصور انسانیت کے بڑے گہرے راز تھے۔

اختتام تدریس

یہ انکشافات اس منزل تک پہنچنے کی تیاری تھی جہاں ساری گزشتہ تعلیمات کا جائزہ لے کر ان میں جو جو خرابیاں پیدا ہو گئیں تھیں ان کی نشاندہی کر دی جائے بلکہ ان خرابیوں کے جو اسباب تھے ان کو بھی جتا دیا جائے۔ یہ بات صاف صاف بتا دی جائے کہ دین کا خلاصہ ازل سے اب تک اور ہمیشہ کے لئے اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھنا ہے تا کہ پاک اور اعلیٰ زندگی دنیا کا تسلیم شدہ طریق ہو جائے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے راستے مختلف زمانوں میں مختلف اقوام اور ممالک کے لئے حسب ضرورت اور حسب موقع بہت سے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ متعین فرمائے تھے ممکن ہے کہ اس کے بھیجے ہوئے رسولوں نے بعض اقوام کو بھی حالات میں وحدانیت کا سبق ظاہری علامات کے ذریعے بھی دیا ہو کیونکہ ابتداء میں انسان کا ذہن ایسے خیالات کو اخذ کرنے کے قابل نہیں تھا جو قطعی بے اندام تھے جیسا کہ خدائے تعالیٰ کا وجود

حقیقت میں ہے اور ممکن ہے کہ علامتی ہدایت کو اہل شر نے مسخ کر کے بت پرستی اختیار کر لی ہو۔ اس بداندیشی سے یہ حقیقت نہیں بدلتی کہ بنی نوع انسان کو ہمیشہ وحدانیت اور تقویٰ ہی کی تلقین کی گئی۔ اس تلقین کی شہادت اب باقی نہیں رہی۔ کیونکہ سارے پرانے مذاہب کی آسمانی کتابیں برباد اور مسخ ہو گئیں۔ آخر کار اب اللہ تعالیٰ نے خود یہ ذمہ لیا کہ قرآن مجید کو محفوظ رکھے گا۔ یہ وعدہ سورۃ حجر کی آیت 9 اور سورۃ انعام کی آیت 17 میں کل کلام اللہ کے ساتھ اس وقت تک محفوظ ہے اور گزشتہ چودہ سو برس سے آپ اپنی سچائی کا ثبوت ہے جس کو سچے مخالف بھی نہیں جھٹلا سکتے۔

وحدانیت کی تائید کے لئے جو تیاری پہلے سے ہو چکی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آمد اسلام کے بعد ازلی اور ابدی سبق اپنی صاف، ستھری اور خالص حالت میں نوع انسان کو از بر ہو گیا بقول **مولانا سلیمان ندوی:**

> ''خود تاریخ انسانی گواہ ہے کہ بعثت محمدی ﷺ کے بعد سے دنیا کی حالت بدل گئی۔ متفرق قومیں۔ (تخلیق تعلیم اور انجام کے رشتوں سے) پیوستہ ہو گئیں۔ زمین کے کونے ایک دوسرے سے مل گئے اور توحید کامل کا غلغلہ عرش سے فرش تک بلند ہو گیا۔ (بتوں کے پوجنے والے بھی وحدت پرست ہو کر بتوں کو فقط توجہ کا مرکز کہنے لگے) اور خدا کے تمام رسولوں کو سچا اور صادق ماننے کا ولولہ (عام ہو کر) ترقی پانے لگا۔ یہاں تک کہ ان قوموں نے بھی جو مسلمان نہیں ہوئیں۔ ان دونوں صداقتوں کو اصولاً تسلیم کر لیا۔'' (سیرۃ النبی جلد چہارم صفحہ 628)۔

سبق یہ وہی ہے جو شروع سے دیا گیا تھا۔ اسلام دین بھی وہی ہے جو ابراہیم، اسمٰعیل، داؤد، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو دیا جا چکا ہے۔ ان کی تعلیمات میں فرق اس قسم کا سمجھنا چاہئے کہ جیسا فرق تاریخ کی ان کتابوں میں ہوتا ہے جو ایک ہی ملک کے متعلق چھٹی جماعت سے لے کر ایم اے تک کے طالب علموں کو پڑھائی جاتی ہیں۔ مضمون کی وسعت اور بلندی بدلتی رہتی ہے گو کہ مضمون وہی رہتا ہے۔ تعلیم اسلام کی بلندی سر بفلک ہے۔

یہ فرق اہل ذوق اور اہل علم آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اس کی چند مثالیں یہ ہیں کہ سب سے اوّل غور فرمایئے کہ اسلام سے قبل احکام کی بجا آوری کا معیار الفاظ کی پابندی تھا۔ مگر اسلام کا

مزاج یہ ہے کہ بڑے سے بڑے مسائل جیسے دین اور دنیا کے فرق کو بھی نیت کے فرق پر چھوڑتا ہے۔ یہ ایک مشہور حدیث ہے کہ الا عمال بالنیات۔ ان مختصر سے دو الفاظ کا معنوی اثر طریقہءِ حیات پر بہت دور رس پڑتا ہے اسی طرح اسلام میں سزا اور جزاء کا تعلق عالم غیب کی بے وجہ خفگی یا ناراضی سے نہیں بلکہ اعمال کی نوعیت سے ہے۔ مالک مطلق کا ہی بتایا ہوا یہ اصول بھی ہے کہ جو جیسا کرتا ہے اس کا نتیجہ ویسا ہی مرتب ہوتا ہے۔ (17-147)

اس کے علاوہ یہ بھی دین اسلام کی خاص تعلیم ہے کہ سارے انسان خدا کے بندے ہونے کی حیثیت سے حقوق انسانی میں برابر ہیں۔ ان میں برتری ہے تو بس اس کی کہ وہ کس قدر تقویٰ کی زندگی بسر کرتے ہیں (49-13)

اس قسم کی مساوات اور انسانی برتری کی اس واحد صفت کا کسی اور مذہب میں تصور تک نہیں ہے۔ ایک اور حیرت کی بات یہ ہے کہ دین اسلام میں جبر و اکراہ کی ممانعت اس حد تک ہے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے حبیب سے مندرجہ ذیل انداز میں خطاب کیا۔ آنحضرت ﷺ سے ارشاد ہوا کہ!

''اگر تیرے رب کی یہ مشیت ہوتی کہ (زمین میں سب مومن اور فرمانبردار ہی ہوں) تو سارے اہل زمین ایمان لے آئے ہوتے، پھر کیا تو (اے محمد ﷺ) لوگوں کو مجبور کرے گا کہ وہ مومن ہو جائیں۔'' (10-100)

انصاف کی اس قدر تاکید ہے کہ دشمنوں اور دشمن قوموں سے بھی انصاف ہی کرنے کی تنبیہ ہے۔ (4-125) اور (5-8) حکم ہے کہ تم کو دشمنوں پر غصہ ہو تو بھی ان پر ناروا زیادیاں نہ کرو (سورۃ 5-2) کسی مذہب کی خدا پرستی کی نشانیوں کی بھی بے حرمتی نہ کرو (5-2) اس روحانی گہرائی کے ساتھ قدم قدم پر غور و فکر کرنے کا حکم ہے۔ تفکر اور تدبر کی طرف سے بے پروائی برتنے والوں کے لئے ذات باری کی خفگی ان الفاظ میں موجود ہے کہ:

''ان کے پاس دل ہیں مگر ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں۔ ان کے پاس کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے یہ لوگ وہ ہیں جو غفلت میں کھوئے

گئے ہیں۔''(179-7)

غور وفکر کرنے کی تاکید حالات زندگی کے متعلق ہی نہیں ہے۔ کائنات کے متعلق بھی ہے بلکہ خود کلام اللہ کے متعلق بھی ہے اور اس قدر شدت سے ہے کہ اس کا خیال کرنے سے خوف آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''(مومن وہ ہیں کہ) جنہیں اگر رب کی آیات سنا کر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ ان پر اندھے اور بہرے بن کر نہیں گر پڑتے۔''

غور وفکر کرنے پر یہ اصرار اگر حصول علم کو فرائض کا درجہ نہیں دیتا تو اور کیا ہے؟

یہ سب اور اس کے علاوہ بہت کچھ سکھانے، جتانے اور بتا دینے کے بعد آنحضرت ﷺ نے 12ھ مطابق 623ء میں حج وداع ادا فرمایا۔ متعدد روایات ہیں کہ حضور ﷺ کو اندازہ ہو رہا تھا کہ تلقین دین کا کام انجام کو پہنچ رہا ہے اور آنحضرت ﷺ کے اپنے رب کے پاس جانے کا وقت آ رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس موقع پر جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں ارشاد کر دیا کہ شاید آنحضور ﷺ کو دوسرے حج کا موقع نہ ملے۔ اسی خطبہ میں سامعین کے جم غفیر کو گواہ بنایا کہ میں نے تم تک اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ اسی حج کے موقع پر عین عرفات کے میدان میں خدائے عزوجل نے محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو یہ خوشخبری سنائی کہ:

''آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنے نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کا دین پسند کیا۔''(3-5)

اس آیت کریمہ کے نزول کا وقت عصر کا تھا۔ تاریخ ذی الحجہ کی 9 اور سن 10 ہجری تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سب رفقاء کو جو اس وقت موجود تھے۔ اس اعلان الٰہی کا علم ہو گیا۔ ان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس وحی کو سن کر ان کے آنسو نکل آئے اس پر لوگوں نے ان سے پوچھا کہ یہ تو خوشی کا وقت ہے کہ اللہ نے آج اپنی ساری نعمتیں ہم پر مکمل کر دی ہیں انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اب رسول اللہ ﷺ ہم میں نہیں رہیں گے۔ کیونکہ ان کے فرائض منصبی انجام کو پہنچ گئے۔ ان کے یہ نتیجہ نکالنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کو حضور اقدس ﷺ کی حیات بس ایک خدمت کی انجام دہی سے وابستہ نظر آتی تھی۔ سب کو معلوم تھا کہ وہ دنیا میں کسی اور غرض سے

نہیں آئے تھے۔عمر فاروق ﷛ کا صحیح اندازہ نکلا کیونکہ آنحضرت ﷺ اس کے بعد کل 81 روز اس دنیا میں رہے۔بعض علماء کا یہ خیال بھی ہے کہ اس وحی کے بعد پھر کوئی آیت احکام سے متعلق نہیں آئی خود آنحضرت ﷺ اپنے کام کی تکمیل سے مطمئن ہو گئے تھے۔سنن ابن ماجہ میں حدیث مروی ہے کہ:

''میں تم کو ایک روشن راستے پر چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اس کی رات بھی دن کے مانند ہے۔''

یقیناً اس زمانے کا امن امان آپس کی محبت اور خلوص، پراثر حکومت، امت مسلمہ کا دنیا بھر میں وقار، اللہ سے لوگوں کے دلوں کا لگاؤ، افراد میں اطمینان، ہر طرح کی روز افزوں بہتری اسلام اور مسلمانوں کو ہر طرح کا عروج یہ محسوس ہوتا ہوگا کہ سب کے سب ایک اعلیٰ درجے کی کشتی میں سوار ہیں۔وہ ایک سمندر میں رواں ہے جس کا پانی پرسکون اور ٹھنڈا ہے فضا چڑھتے ہوئے آفتاب کی ضیاء سے روشن ہے۔اطراف کے سبزہ زاروں کے رنگ نکھر گئے ہیں اور پھولوں کی خوشبو سے ہوا معطر ہے اس کشتی کو دنیا حیرت سے دیکھ رہی ہے۔اب آنحضرت ﷺ کو اس دنیا میں رہنے کی خواہش نہ تھی اب وہ وقت بھی نہ تھا کہ بدر کے میدان میں آپ نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا مانگی تھی کہ:

''خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ (فتح کا) کیا ہے۔آج پورا کر ________
اگر مسلمانوں کے یہ چند نفوس آج مٹ گئے تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا۔''

اب وقت ایسا تھا کہ مولانا شبلی نعمانی اس کے متعلق سیرت النبی ﷺ کے حصہ دوم میں کہتے ہیں کہ:۔

''آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا۔جاہلیت کی تمام بے ہودہ مراسم کو مٹا دیا۔''

اور آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ:۔

''ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے دونوں پاؤں کے نیچے ہیں۔''

ختم نبوت کی ضرورت اور اثرات

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ تعلیم اور تدریس میں فرق ہے۔ تدریس کے لئے استاد کی ضرورت ہوتی ہے جو شخص استاد سے پڑھتا ہے وہ شاگرد ہوتا ہے۔ شاگردی کے بعد بھولنے کا زمانہ نہیں بلکہ خود اپنی کوشش سے علم حاصل کرنے کا زمانہ آنا چاہئے۔ یہ شرط ضرور ہے کہ اتنی تعلیم اور قابلیت حاصل کر لی ہو کہ پھر اپنے آپ غور وفکر کر سکیں کہ اور راستوں کا کوئی نقشہ روائتی یا درایتی ذہن میں ہو۔ اسلام کی راہ میں یہ شرط اس طرح پوری ہو چکی ہے کہ کائنات کے پیدا کرنے والے نے انسان کو فارغ التحصیل ہونے کا اعلان فرما دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔''

راستوں کا نقشہ بھی اس پروردگار نے سمجھا دیا متعدد بار جتا دیا کہ:۔

''کتاب ہم نے نازل کی ہے، یہ برکت والی ہے۔ پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو۔'' (6-156)

کوئی ہدایت اور کوئی سبق کافی نہیں ہو سکتا اگر انسان میں سوچنے سمجھنے اور غور وفکر کرنے کا شعور نہ ہو۔ اس شعور کو پیدا کرنا طرز تعلیم کا اور استاد کا کام ہے۔ جو شعور استاد ملت نے پیدا کیا اس کی روشن ترین مثال مسلمانوں کے عہد اول کی چمک دمک اور بے پایاں صلاحیتیں ہیں۔ اس سے زیادہ عظیم کارنامہ اس استاد امت، معلم انسانیت اور رسول خداﷺ کا یہ ہے کہ اس نے خدا کی مرضی سے استاد اور تدریس کی ضرورت ہی کو ختم کر دیا۔ تدریس کا یہ کمال ہے کہ حد تدریس تک تعلیم دیکر خالق عالم نے وحی کا وہ پرانا مدرسہ ہی برخاست کر دیا جو ہزاروں برس سے جاری تھا۔ اب نہ وحی آئے گی اور نہ مزید رسول آئیں گے اس لاجواب صفت کی حقیقت کا کچھ بیان ڈاکٹر اقبال رحمہ اللہ کی زبانی سنئے۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ کے پانچویں باب میں فرماتے ہیں کہ:

''اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کو پہنچ گئی لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔ اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے شعور ذات کی تکمیل ہو گی تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے ــــــــــ اگر ہم نے ختم نبوت کو مان لیا تو گویا عقیدۃً یہ بھی مان لیا کہ اب

کسی شخص کو اس دعویٰ کا حق نہیں پہنچتا کہ اس کے علم کا تعلق چونکہ کسی مافوق الفطرت سر چشمے سے ہے اس لئے ہم پر اس کی اطاعت لازم آتی ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خاتمیت کا تصور ایک طرح کی نفسیاتی قوت ہے۔''

اختتام نبوت کے تصور سے ایک حسین آزادی اور عظیم ذمہ داری امت مسلمہ کو ودیعت ہوئی ہے۔اب امت محمدی ﷺ کا اپنا فرض ہے کہ اس علم کو جسے خدائے قدوس نے آنحضرت کے توسط سے اس کو بخشا ہے۔خود سوچ سمجھ کر استعمال کرے۔نئی راہیں تلاش کرے۔نئی نئی بلندیوں پر گامزن ہوتا کہ نظر وسیع سے وسیع تر ہوتی جائے۔تدریس کی اس آزادی کی مدد سے جو اپنے آپ پر اعتماد اور ہمت خاص پیدا کرتی ہے دنیا کے لئے مثال بنے یہ مثال ایمان میں، کردار میں، علم و ہنر کی قیادت میں، طرز حکومت میں، حصول طاقت میں، انصاف گستری اور تسخیر فطرت میں کارفرما ہو۔

ایک نظر بازگشت ڈالئے اور دیکھئے کہ جس رسول ﷺ نے خدا کے حکم سے یہ سب کچھ بخشا، بے مانگے بخشا، بے معاوضہ بخشا، مایوسی کو ناجائز قرار دیا اور قانون قدرت پر بھروسہ کرنے کی تلقین کی۔مزید یہ کہ ان کاموں کے لئے جس خود اعتمادی کی ضرورت تھی اس کو بہم پہنچانے کے واسطے ہر طرح کے سبق دیئے پھر خدائے عزوجل سے تدریس کے مکمل ہو جانے کی سند بھی دلوادی۔اس طرح انسانوں کو سبق آموزی کی پابندیوں سے آزادی دلا کر پوری طرح ذمہ دار بنا دیا اور اس کو ہی ہر چیز کا چارج دلوایا اور خود عالم اعلیٰ کو اپنے رب کی طرف روانہ ہو گیا جاتے وقت خود امت ہی کو گواہ بنایا کہ میں نے اپنا کام پورا کر دیا۔اگر وہ رسول مظہر تکمیل نبوت نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

تاریخی ثبوت

تکمیل نبوت اور رسالت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ ختم نبوت بھی ساتھ ہی ہو جائے۔تکمیل نبوت کا ثبوت تو معرض بحث میں لایا جا سکتا ہے۔کیونکہ اس کا تعلق معیار سے ہے۔مگر ختم نبوت ایک واقعہ ہے۔وہ تو بعد میں آنے والے نبیوں اور رسولوں کی عدم موجودگی سے سامنے آجاتا ہے ثبوت یہ ہے کہ عظیم مذاہب کی تعداد جتنی اس دن تھی جس دن رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی۔اتنی ہی تعداد آج بھی ساری دنیا مانتی ہے۔نبوت اور رسالت کے بہت سے دعویدار پیدا ہوئے۔بہت

سے دعویدار ہندویت اور مسیح موعود ہونے کے بھی نمودار ہوئے بہت سوں نے اسلام اور دیگر اعلیٰ مذاہب میں بھی فرقے بنادیئے اور جو بھی ان کے دائروں سے باہر رہا ان کو کافر و مرتد کہا لیکن پچھلے ایک ہزار چار سو سال میں کسی نے کوئی ایسا نیا مذہب قائم کر کے نہیں دکھایا کہ آج دنیا اس کو مذکورہ بالا عظیم مذاہب کے زمرہ میں گن کر ساتواں عظیم مذہب تسلیم کر لیتی۔ یہ کام اگر ہو سکتا تو اس کے لئے وقت کم نہ تھا۔ کیونکہ مذکورہ چھ مذاہب کے ظہور میں کسی دو کا آپس کا وقفہ کبھی چودہ سو سال کا نہیں ہوا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حالات بالکل بدل گئے ہیں اب تو فاشزم اور کیمونزم جیسے مادیت پسند عقیدے جنم لے سکتے ہیں کوئی نیا روحانی مذہب وجود میں نہیں آ سکتا۔ کیونکہ روحانیت کی جو بلندیاں انسان کے لئے مہیا کی جا سکتی تھیں وہ سب میسر ہیں اور دین و دنیا کی حدود کو جس قدر ملایا جا سکتا تھا اس قدر اسلام نے ملا دیا ہے۔ اقبال کے بقول

ع دَرِ دنیا از کلید دیں بکشاد

اس حکمت میں اب کسی قسم کی اصلاح کی گنجائش نہیں ہے گنجائش ہے تو اس کی کہ انسان اپنی عقل اور تجربہ سے روحانیت اور مادیت کے توازن کو سمجھے اور اس کو قائم رکھے۔ یہ توازن حالات کے مطابق بگڑتا اور سنورتا رہتا ہے اس کو قائم رکھنا یا نہ رکھنا دور اندیشی اور بد اندیشی کا کام ہے۔ ہر لحظہ استاد کی ہدایت کا نہیں۔ اب تدریس نہیں بلکہ خود اپنی تعلیم اور طالب علمی درکار ہے اس کا پورا موقع اسلام نے بخشا ہے۔

آزادیٔ عمل

تکمیل نبوت، ختم رسالت، نوع بشر کو شاگردی سے کامل فراغت اور فقط چند اصولوں کے ماتحت انسان کے لئے پوری آزادی عمل۔ یہ سب نعمتیں اسی ایک رسول اور نبی آخر ﷺ کی بدولت میسر ہوئیں جس نے دنیا سے جاتے وقت ہم کو کسی پادری یا پروہت کے سپرد نہیں کیا بلکہ راہ قرآن دکھا کر ہمارا ہاتھ براہ راست اللہ کے ہاتھ میں دیدیا۔

ہم سے ہمارے رب نے کہا کہ:

''لوگوں! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے۔ یہ چیز وہ ہے جو دلوں کے امراض کی شفا ہے۔ اور جو اسے قبول کر لیں ان کے لئے رہنمائی اور

رحمت ہے۔''(یونس۔57)

امت محمدی ﷺ نے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں اب پھر کلام پاک اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے زیرآسمان کھڑی ہے اب خود اسی پر منحصر ہے کہ کس طرف بڑھے، کس انداز اور کس رفتار سے بڑھے۔ خدا اور اس کے حبیب ﷺ نے اس کا مستقبل خود اسی کے عمل پر چھوڑ دیا ہے۔ یہی سب سے بڑا ثبوت تکمیل رسالت اور سب سے بڑی نعمت ختم نبوت ﷺ ہے۔ ہاں یہ ضرور صحیح ہے کہ آزادی عمل بڑی ذمہ داری ہے۔

(ماخوذ از ''نقوش، رسول نمبر جنوری 1984ء)

مجدّد الف ثانی

حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ

انجنیئر مختار فاروقی

آپ جون 1564ء میں سرہند میں شیخ عبدالاحد کے ہاں پیدا ہوئے لقب بدرالدین اورکنیت ابوالبرکات تھی۔سلسلہ نسب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔آپ کی وفات مغل بادشاہ جہانگیر کے عہد میں دسمبر 1624ء میں ہوئی۔

آپ جس نام سے سب سے زیادہ مشہور ہیں وہ مجدد الف ثانی ہے اسلام کی تعلیمات کے مطابق انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوکر حضرت محمد ﷺ پر آ کر تکمیلی شان کے ساتھ ختم ہوگیا۔اب اس دین کی آبیاری اوراحیاء کا مرحلہ ہے جب داخلی وخارجی حالات کے تحت مسلمان اسلام سے دوری اختیار کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ وقتے وقتے سے مسلمانوں میں ایسے رجال دین کھڑے کرتا رہا ہے جومخالفین کی شرارتوں اوراپنوں کے غلواور سرکشی کی وجہ سے دین اسلام کی تعلیمات پر جو پردے پڑ جاتے تھے ان پردوں کو ہٹا کر دین اسلام کے رخ روشن کو ازسرنوانسانیت کے سامنے مبرہن کر کے اتمام حجت کر دیتے تھے۔

چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول ﷺ نے فرمایا!

اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِأَةِ سَنَةً مِنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا

''اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی میں ایسا شخص بھیجتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرے''

اسی حدیث مبارکہ کے مطابق انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد دین کے خادموں میں سے سب سے اونچا مقام مجدد دین ملت کا ہے ان میں سے بعض نے اس کا دعویٰ بھی کیا کہ وہ

مجدد ہیں اور اکثر نے بے غرض اور بے نام ہی خدمات انجام دی ہیں۔انہیں بزرگوں اور خادمان دین مبین میں ایک اہم نام شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کا ہے۔

ایک دوسرا تصور قرآن مجید میں یہ ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں معاملات دنیا چلانے کے لئے جو تقویم جاری ہے وہ اس ذات باری تعالیٰ کے خاص دن ہیں جو عالم انسانیت میں ہمارے ایک ہزار سال کے برابر کا ایک دن ہے۔ چنانچہ سورۃ الحج اور سورۃ الم السجدہ دو جگہ اس بات کا تذکرہ ہے سورۃ الحج کے الفاظ یہ ہیں:

وَاِنَّ یَوْماً عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ o (47)

''اور بیشک تمہارے پرور دگار کے نزدیک ایک روز تمہارے حساب کے رو سے ہزار برس کے برابر ہے۔''

یہی مضمون احادیث مبارکہ میں بھی ہے کہ سابقہ امت مسلمہ کی عمر اور ہدایت کا معاملہ ایک ہزار سال کا تھا۔(چنانچہ اہل کتاب یہود و نصاری میں بھی ہزار سال کی اہمیت کے پیش نظر MELLIONIUM کا تصور موجود ہے)

ایک حدیث میں جناب رسول ﷺ نے فرمایا کہ: چونکہ میری امت ختم نبوت کی وجہ سے آخری امت ہوگی لہٰذا اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سابقہ امت کے مقابلے میں نصف دن (یعنی پانچ سو سال) مزید عطا فرمائے گا۔

قرآن وسنت کی انہیں تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ امت میں مجددین ملت تشریف لاتے رہے اور ہزار سال کے خاتمے پر 1000 ہجری کے بعد جب حضرت شیخ احمد سرہندی نے اپنے ماحول میں کام کیا تو آپ نے اپنے آپ کو صرف 1001 تا 1100 ہجری یعنی گیارہویں صدی ہجری کا مجدد نہیں کہا بلکہ 1001 ہجری کے بعد جو تاریخ اسلام کی دوسری ہزاری شروع ہو رہی تھی اس کے مجدد ہونے کا اظہار کیا جس سے آپ اس لقب سے مشہور ہو گئے چنانچہ اکثر لوگ آپ کے اسم گرامی کی بجائے آپ کو اسی لقب ''مجدّد الف ثانی'' سے زیادہ یاد کرتے ہیں۔(عربی میں ہزار کو الف کہا جاتا ہے اور ثانی کے معنی دوسرے کے ہیں)۔

گزشتہ شمارے میں حضرت سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ کا تذکرہ ہوا تھا اُن کی وفات

1030ء کی ہے جب کہ حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی دسمبر 1624ء کی ہے یعنی ان دونوں اکابرین میں 600 سال کا زمانی فرق ہے، ان 600 سالوں میں دنیا میں بے شمار تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئی ہیں اور بڑے بڑے انقلابات نے جنم لیا ہے لہٰذا زمانی اعتبار سے ان دونوں زمانوں کے درمیان تاریخی اور نظریاتی تسلسل کو سمجھنے کی ضرورت ہے اس مقصد کے لئے ذیل میں کچھ وضاحتیں پیش کی جارہی ہیں قارئین ان شاءاللہ ان کو مفید مطلب پائیں گے۔

چھ صدیوں کے اس زمانی بعد اور سپین، بغداد اور برعظیم ہندو پاک کے مکانی بعد کے پیش نظر ان گزارشات کو ہم کئی حصوں میں تقسیم کر کے پیش کریں گے۔

1۔ مشرقِ وسطیٰ ــــــــــ 1000ء تا 1600ء

☆ سیاسی اعتبار سے ☆ نظریاتی کمزوری اور وابستگی کے ادوار میں احیائے اسلام کی مساعی کی تاریخ

2۔ سپین (اندلس یا ہسپانیہ) میں اسلامی حکومت کے عروج وزوال کی داستان اور اسلامی نظریاتی وابستگی کی تاریخ

3۔ دشمنان اسلام کی اسلام کو مٹانے کی کوششیں اور یہود کی سرگرمیاں

4۔ پاک وہند ــــــــــ 1030ء تا 1600ء

☆ سیاسی اعتبار سے ☆ اسلامی تعلیمات اور نظریاتی تسلسل کے اعتبار سے

آیئے ان عنوانات کے تحت مختصر انداز میں حالات وواقعات کا تذکرہ پڑھتے ہیں:

1۔ مشرق وسطیٰ ایران، ترکستان 1000ء۔1600ء

سلطنت عباسی 750ء میں قائم ہوئی اور 865ء تک ایک صدی کے شاندار عروج کے بعد زوال پذیر ہونا شروع ہوگئی 1000ء کے لگ بھگ اس عظیم سلطنت کا اقتدار ڈول رہا تھا، عالمی سطح پر اگرچہ مسلمانوں کی شان وشوکت قائم تھی تاہم اندرونی طور پر سلطنت دشمنوں کی سازشوں کی شکار ہو چکی تھی، قرامطہ اور فاطمی حکمرانوں نے مرکز سے علیحدگی اختیار کر کے وحدت امت کو سخت نقصان پہنچایا تھا، بارہویں صدی آنے تک سلطنت کے حصے بخرے ہو گئے، شمال میں

سلجوقی حکمرانوں نے اپنا اقتدار قائم کرلیا تھا، دمشق وغیرہ کا علاقہ بھی عباسیوں کے براہِ راست کنٹرول میں نہیں تھا، مصر وغیرہ میں فاطمی خاندان عیسائیوں سے روابط بڑھا رہا تھا اور شمالی افریقہ تک عباسی حکمرانوں کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ ذاتی کردار کے اعتبار سے بھی عباسی بادشاہ جو نام کے خلفاء تھے اور حکمران طبقہ، امراء ورؤساء میں شراب نوشی عام ہو چکی تھی اور راگ رنگ اور بے حیائی نے قدم جما لیے تھے، بغداد کے شہزادے عیاشی کی علامت بن چکے تھے اور بغداد الف لیلوی داستانوں کا شہر تھا جیسے آج کل سنگار پور وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ ہلاکو خان اور چنگیز خان جیسے ظالم لوگ آئے اور عباسی سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بجادی، 1258ء میں سقوط بغداد ہے۔

اس کے بعد دو صدیاں باہمی خلفشار اور افراتفری کی ہیں تا آنکہ خود ہلاکو خان کے بیٹوں اور پوتوں نے اسلام قبول کرلیا اور ان کے جذبہ اور گرم خون نے اسلام کو سہارا دیا اور تھوڑے عرصہ میں ہی مشرق ومغرب میں یہی لوگ چھا گئے۔ چنانچہ 1540ء ایران کا صفوی خاندان، 1528ء ہندوستان میں مغلیہ خاندان، 1350ء میں ترکستان میں عثمانی سلطنت قائم ہوگئی جس سے مسلمانوں کی عظمت قدرے بحال ہوگئی۔ 1099ء میں بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے چلا گیا۔ 1192ء میں صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ نے صلیبیوں سے واپس لیا۔ بعد ازاں 1453ء میں سلطان احمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر کے اسلام کی عزت وعظمت کو چار چاند لگا دیئے اور یورپ میں مشرق کی طرف سے فتوحات کے راستے کھول دیئے۔

ایمان اور نظریاتی اعتبار سے حالات آہستہ آہستہ دور نبوت سے بُعد کی بنا پر دگرگوں ہوتے چلے گئے۔ امام غزالی، شیخ عبدالقادر جیلانی، امام ابن تیمیہ رحمہم اللہ وغیرہم کی مساعی نے اگرچہ یہود ونصاریٰ اور ان کے زیر اثر مسلمانوں کے اندر کے مرکز گریز اور گمراہ فرقوں کا ابطال کیا اور دین کی حفاظت کی، تاہم یہود ونصاری کے میل جول اور اثر نفوذ کی وجہ سے یونانی اور ہندی فلسفہ کے زیر اثر مسلمانوں میں نظریاتی گمراہی پھیلتی جا رہی تھی اور خود مسلمانوں کے اندر ارسطو و افلاطون کے حمایتی ہی نہیں پرجوش مبلغین پیدا ہو رہے تھے جو علی الاعلان اسلام کی نظریاتی بنیادوں اللہ، وحی، نبوت، فرشتے، آخرت کو ڈھا رہے تھے۔ چنانچہ ابن رشد، ابوالنصر فارابی، ابن سینا،

عمر خیام جیسے لوگ اس دور میں گزرے ہیں اور ان کے اثرات امت مسلمہ کے مجموعی ایمان اور اعتقاد پر براہ راست مرتب ہوئے جس سے مسلمانوں پر زوال کے سائے گہرے ہوئے اور سلطنت عباسیہ کے ٹکڑے ہو گئے پھر ہلاکو خان نے بغداد فتح کیا تھا اللہ تعالیٰ نے وہ صورت حال پیدا کر دی کے ڈیڑھ سو سال بعد اسلام نے ہلاکو خان کی اولاد کو فتح کر لیا انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر اسلام کی حفاظت وصیانت کا جھنڈا انہیں کے ہاتھوں میں دے دیا۔ چنانچہ ہندوستان اور ایران اور ترکستان میں انہیں کی اولادوں نے پندرھویں صدی سے عروج حاصل کیا۔ بقول اقبال ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں کعبے کو مل گئے صنم خانے سے

2۔ سپین (یورپ) میں اسلام 1000ء تا 1600ء

ہندوستان میں اسلام 93ھ (711ء) میں حضرت محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے ذریعے آیا جب کہ اس نے سندھ فتح کیا عین اس وقت 93ھ ہی میں حضرت طارق بن زیاد رحمہ اللہ نے شمالی افریقہ سے شمال کی طرف بحیرۂ روم عبور کر کے جبرالٹر کے مقام سے یورپ میں داخل ہوئے جہاں کشتیاں جلانے کا مشہور واقعہ ہوا' جذبہ صادق تھا اور مسلمانوں میں ابھی شوق جہاد اور جاہ جلال تھا لہٰذا ہسپانیہ کا علاقہ جہاں عیسائیت کے مظالم اور مقامی امراء و رؤساء کی سفاکی کی وجہ سے عوام بیزار و پریشان تھے، چند ہی عشروں میں مسلمان کے زیر کمان آ گیا۔ اور بنو امیہ ہی کی ایک شاخ میں عبدالرحمٰن کے ذریعے ایک سلطنت کی بنیاد پڑ گئی تھی جو مشرق وسطیٰ سے بُعد اور مکانی اعتبار سے بھی کٹی ہوئی ہونے کی وجہ سے ذرا آزاد تھی اور بغداد کے سیاسی اتار چڑھاؤ سے متاثر نہیں ہوئی، اس سلطنت کو سات صدیاں بڑے آرام سے حکومت کرنے کا موقع ملا اور مسلمانوں کے ذریعے زیادہ تر علم اور تحقیق کی ترقی یہیں ہوئی جہاں پورے یورپ کے نوجوان غرناطہ اور اشبیلہ کی یونیورسٹیوں سے علم حاصل کر کے جاتے تھے۔ یہود یہاں بڑے اطمینان اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔ تاہم وہ مسلمانوں کی آغوش میں بیٹھ کر عباسی سلطنت کے خلاف یہیں سے سازشوں میں بھی

مصروف تھے۔

الحمراء اور دیگر اسلامی فنون کے نمونے آج بھی اس کی یادگار ہیں لیکن ''ہر کمالے را زوال'' مسلمانوں میں اضمحلال آیا اور حکمرانوں میں اسلام سے وابستگی کمزور پر گئی مگر ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی'' ــــــــــــ بالآخر 1492ء میں سقوط غرناطہ ہو گیا اور مسلمانوں کو غلام بنا لیا گیا اور آہستہ آہستہ یا تو واپس عیسائی کر لیا گیا یا انہیں افریقہ چلے جانے پر مجبور کیا گیا چنانچہ سولہویں صدی کے آخر پر کوئی مسلمان سپین میں نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اپنے ہیں۔ یورپ کے مغرب میں اسلام کا سورج غروب ہوا تو اسی صدی میں 1453ء میں قسطنطنیہ فتح کر کے عثمانیوں نے مشرقی یورپ میں اسلام کا راستہ کھول دیا تھا سارا مشرقی یورپ فتح کر لیا تھا یہاں تک کہ مسلمانوں کی فوجیں فرانس تک پہنچ گئی تھیں۔

سپین میں کئی نامور مسلم ہستیاں پیدا ہوئیں اور علم کی بھی بہت خدمت ہوئی ہسپانیہ یا سپین کا دوسرا نام اندلُس ہے اور ہمارے اکابرین اندلُس کا لفظ ہی زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ مشہور فلسفی ابن عربی رحمہ اللہ اندلسی تھے۔ سائنس کی ترقی میں مسلم سپین یورپ میں سب سے آگے تھا بلکہ یورپ کا استاد بھی اور پیش رو بھی ہے۔ اس دور (600ء سے 1600ء عیسوی تک کے 1000 سال) کو یورپی مؤرخ ''تاریک دور'' (DARK AGES) شمار کرتے ہیں۔ برطانوی مؤرخ برٹرینڈرسل نے لکھا ہے کہ یہ تاریک دور مسیحی یورپ کے لئے تھا مسلم سپین تو اس وقت بھی علم و ہنر کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔

تاریخ گواہ ہے کہ جب یورپ عقلی اعتبار سے بھی تاریکی میں تھا اور مادی اعتبار سے بھی، اس وقت بھی مسلم سپین میں سڑکیں پختہ تھیں اور رات کو سڑکوں پر روشنی کا اہتمام ہوتا تھا، علم عام تھا اور تحقیق کے لئے درسگاہیں تھیں ان درسگاہوں میں جرمنی، فرانس، برطانیہ اور مشرقی یورپ کے لوگ جاتے تھے اور علم کی پیاس بجھاتے تھے جیسے آج کل دنیا بھر کے لوگ یورپ اور امریکہ کی علمی درسگاہوں کا رخ کرتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلم سپین کے زوال کے بعد علم و تحقیق کے میدان میں انہی لوگوں نے آگے پیش رفت کی ہے اور مسلمانوں کے زوال کے بعد آج یورپ (اور امریکہ) سائنسی تحقیق و ترقی میں ساری دنیا پر چھا گیا ہے۔

3۔ دشمنانِ اسلام ــــــــــــ یہود ونصارٰی کی سرگرمیاں

دشمنانِ اسلام تو روزِ اول سے ہی اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے رہے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی ماننے والے تو اسلام کی طرف کھنچے آتے تھے (قرآن مجید میں ساتویں پارے کے آغاز میں اس کا ذکر ہے) حضرت نجاشی رحمہ اللہ کا اسلام بھی اس کا مظہر ہے مگر تثلیث اور الوہیتِ مسیح کے قائل عیسائی اور ابنیاء کرام علیہم السلام کے قاتل یہودی طبقہ جو کبھی فری میسن تھے تاریخ میں ZOINS کہلاتے ہیں اور آج بھی یہی صیہونیت (ZOINISM) کے علمبردار ہیں، آسمانی وحی کے دشمن اور انبیاء کرام علیہم السلام کو قتل کر کے آسمانی ہدایت کی عدم موجودگی میں من مانی کرنے کے خواہش مند یہی لوگ ہیں جو تاریخ میں شیطان کی پارٹی کے طور پر کام کرتے آرہے تھے (اور آج بھی ہیں)۔

حضرت محمد ﷺ کے دور سے سازشوں میں ملوث یہ گروہ مسلمانوں کے اندر گھس کر کام کرتا رہا ہے، داخلی طور پر مسلمانوں کو آپس میں لڑانا اور نظریات کو کمزور کرنا ان کا خاص طریقۂ واردات رہا ہے۔

دوسری صدی ہجری سے انہوں نے یونانی فکر و فلسفہ (جو خود تیار کرایا تھا تاکہ وحی اور آسمانی ہدایت کے مقابلے میں کھڑا کیا جا سکے) کی کتب کے تراجم کرائے اور مسلمانوں میں اسی کی اشاعت کی جس سے مسلمان اہل علم اور ذہین طبقات میں نظریاتی بحثیں چھڑ گئیں اور یوں اسلام سے تعلق ماند پڑتا چلا گیا جس کی حفاظت کے لئے مجددین ملت نے کام کیا ہے۔ (ان ہستیوں کا ذکر انہی صفحات میں ہو چکا ہے) 1000ء (چوتھی صدی ہجری کا اختتام) آتے آتے مسلمانوں میں داخلی انتشار بہت گہرا ہو گیا تھا، عباسی حکمران عیاشی میں پڑ کر بہت کمزور ہو چکے تھے اور حکومتی گرفت ڈھیلی ہونے کی وجہ سے علاقائی قوتیں سر اٹھا رہی تھیں اور دشمن کو کاروائیوں کے لئے مواقع فراہم کر رہی تھیں۔ اس نظریاتی انتشار اور سیاسی کمزوری کے باعث یہود کو اسلام دشمنی کے جذبے کے تحت ایک کاری وار کرنے کی موقع مل گیا (یاد رہے کہ 70ء میں بیت المقدس پر ٹائٹس رومی کے حملے کے بعد وہاں سے یہود کو جلا وطن کر دیا گیا تھا جہاں سے پھر یہ یہودی ساری دنیا میں پھیل گئے مدینہ، عراق، اصفہان روس، یورپ اور ہندوستان میں ان کی آمد بطور

خاص نمایاں ہے) گیارہویں صدی عیسوی میں پورے یورپ کے مسیحیوں کو اٹھایا۔ اور مذہبی جہاد کے لئے بیدار کیا۔ بیت المقدس 70ء میں رومیوں کے قبضے میں چلا گیا تھا پھر 300ء کے قریب رومیوں کے عیسائی مذہب قبول کر لینے کے بعد عیسائی مرکز بن گیا اور مذہبی طور پر قبلہ بھی ــــــــــ پھر 637ء (15 ہجری) میں حضرت عمرؓ کے ہاتھوں فتح ہو کر مسلمانوں کے زیر انتظام آ گیا۔ اس وقت سے عیسائیوں کے دلوں میں تو اپنے قبلہ کے چھن جانے کا غم اور ماتم تھا ہی؛ یہود نے اس کو اکسایا اور صلیبی اور مذہبی جنگ کا عنوان دے کر اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے یورپ وقسطنطنیہ کو بیت المقدس کے حصول کے لئے اس مہم جوئی پر آمادہ کرلیا۔

چنانچہ عباسی سلطنت کی کمزوری اور ELITE طبقہ کی عیاشیوں اور ارسطو وافلاطون کے خیالات کے زیر اثر روشن خیالی اور LIBERALISM کے دلدادہ ہونے کا نتیجہ جہاد سے اعراض کی شکل میں نکلا اور 1099ء میں بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر صلیبیوں کے پاس چلا گیا پورے یورپ میں خوشی کے ترانے گائے گئے اور یہود کے حوصلے بھی بڑھ گئے۔

ایک صدی بعد مسلمانوں میں احیائی کام اور تجدیدی مساعی کے زیر اثر جذبہ اور جوش پیدا ہوا اور دمشق سے نورالدین زنگی رحمہ اللہ اور سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ اٹھے اور انہیں نے پہلے فاطمی سلطنت کے شر سے علاقے کو پاک کیا اور پھر طویل جنگ لڑ کر 1192ء میں بیت المقدس مسلمانوں کو واپس دلا دیا۔ یہ دوسری صلیبی جنگ کہلاتی ہے (اور 2001ء کے بعد سے اب تیسری صلیبی جنگ یعنی CRUSADE جاری ہے)۔

پورے یورپ کی فوجی طاقت اور مذہبی جوش وخروش کے باوجود بیت المقدس چھن جانے کی باعث یہودیوں نے فوجی اور سیاسی میدان کی بجائے سازشوں کا میدان منتخب کیا اور یورپی مسیحی حکومتوں کی بجائے کسی دوسری عالمی طاقت کے ذریعے مسلمانوں کی سیاسی برتری کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا اور سیکولر بنیادوں پر اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے جدید نظام NEW WERLD ORDER کی بنیاد رکھی۔

چنانچہ 1192ء کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سے واقعات کی ترتیب کچھ یوں ہے

☆ 1215ء میں بنیادی انسانی حقوق کا تصور پیش کیا گیا۔

☆ 1225ء میں شاہ انگلستان نے مشہور زمانہ انسانی حقوق کا MAGNACARTA منظور کیا۔

☆ مغربی چین میں حکمران منگول خاندان کو روسی علاقہ جات ،ایران،(اصفہان میں پہلی یہودی آبادی 206ء سے موجود ہے)اور بغداد تک موافق حالات کی یقین دہانی، مالی امداد، اور مسلمانوں کے جنگی اور سیاسی راز دینے کا لالچ دے کر اس عظیم مہم کے لیے آمادہ کیا گیا جس کے نتیجے میں چنگیز خان اور ہلاکو خان نے آ کر پورا علاقہ تاراج کر دیا اور سلطنت بغداد کا نام ونشان مٹا دیا۔1258ء میں سقوط بغداد ہو گیا یہودی اس کامیابی پر حیران تھے کہ یہ کام ان کی توقع سے کہیں بڑھ کر تھا اس لئے وہ اس سے کوئی فوری فائدہ حاصل نہ کر سکے۔(یہی دور ہے جب ایران میں سعدی شیرازی رحمہ اللہ اور دمشق میں مولانا روم رحمہ اللہ اپنے کلام سے لوگوں کو آمادہ عمل کر رہے تھے)۔

☆ چودھویں صدی عیسوی پورے مشرق وسطی میں باہمی خلفشار اور افراتفری کا دور رہا جو یہود کے پنپنے اور گل کھلانے کے لئے موسم بہار تھا۔

☆ یورپ میں انسانی حقوق اور اقلیتوں کو بھی مساوی حقوق کے تصور کے ذریعے یہود کو ذرا سکون ملا تو ایک طرف عیسائیوں کے ORTHODOX عقائد کے خلاف بغاوت کھڑی کر دی اور پروٹسٹنٹ تحریک کے ذریعے جدید ذہن کے مطابق نیا فرقہ کھڑا کر دیا اور اس کی ہر طرح سے سرپرستی کی ، چنانچہ شریعت سے آزادی، اور روشن خیال مذہبیت کی بنیاد یہیں سے پڑی۔

☆ چودھویں اور پندرھویں صدی میں مسلمان علاقوں میں بیداری پیدا ہوئی تو ترکستان میں عثمانی حکومت، ایران میں صفوی حکومت اور ہندوستان میں مختلف کمزور حکومتوں کے بعد مغلیہ سلطنت کو استحکام ملا۔عثمانی حکومت نے اس قدر طاقت حاصل کی کہ 1453ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کر لیا جو عیسائیت کا صدیوں سے مضبوط گڑھ تھا۔ یہ واقعہ یہود کے لیے بڑا حیران کن تھا۔چنانچہ پورے یورپ نے مل کر اور یہود کے ایماء پر

1492ء میں سپین سے مسلم اقتدار ختم کر دیا اور مزید ایک صدی میں وہاں سے مسلمانوں کا مکمل خاتمہ کر دیا۔

☆ پروٹسٹنٹ فرقے کے ذریعے جدید خیالات کی آڑ میں یہود نے تورات اور انجیل کی تعلیمات کے برخلاف سود کی اجازت حاصل کر لی جس کا بھرپور فائدہ یہود نے ہی پہلا بینک، بینک آف انگلینڈ قائم کر کے اٹھایا (یہ بینک آج بھی یہود کی ملکیت ہے اور نجی ملکیت ہے) اس سے یہود کو سود کی شکل میں بے پناہ (ناجائز) وسائل حاصل ہو گئے۔

☆ اگلے مرحلے میں بینکوں کے نظام کے تحت کاغذی سِکّہ (PAPER CURRENCY) کا اجراء ہے۔ جو تاریخ انسانی کا بہت عظیم واقعہ ہے اور جس کے نقصانات آج تک انسانیت بھگت رہی ہے۔

☆ ہندوستان کی سیاست میں بظاہر یہود کا عمل دخل بڑا کم ہے مگر اندرون خانہ اکبر کی حکمرانی اور دین الٰہی کے اجراء میں یقیناً یہودی ذہن شامل ہے۔

☆ سودی معیشت، PAPER CURRENCY کا اجراء اور بے پناہ مالی وسائل کے حصول کے بعد یہود نے حکومت برائے اقتدار اور خدائی (LORD SHIP) کی بجائے حکومت برائے تجارت کا تصور عام کیا۔

☆ اس مقصد کے لئے 1498ء میں مشرق بعید تک رسائی کے لئے واسکوڈی گاما نے مسلمان راہبروں (GUIDES) کے ساتھ جنوبی افریقہ کی بندرگاہ کیپ ٹاؤن کا راستہ معلوم کر لیا اور یورپی تجارتی بیڑوں کی آمد و رفت شروع ہوئی تو ہندوستان اور مشرق بعید میں اپنی حکومتیں قائم کرنے کی بجائے ایسٹ انڈیا کمپنی (EIC) کا قیام 1600ء میں عمل میں آیا تاکہ ظاہری لیبل تجارت کا رہے اور در پردہ وسائل پر قبضہ کا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور مقامی حکومتیں اور عوام کا ردّعمل بھی سامنے آئے۔

---

(4) اسلام ہندوستان (پاک و ہند) میں 1000ء تا 1600ء

☆ ہندوستان میں اسلام 93ھ (711ء) میں مسلم جرنیل حضرت محمد بن قاسم رحمہ اللہ کے

ذریعے آیا۔ مسلمانوں کی مہم کا مقصد کوئی تبلیغ یا اشاعت اسلام کا مثبت جذبہ نہیں تھا۔ ورنہ اس مہم کا حشر وہ نہ ہوتا جو فاتح جرنیل محمد بن قاسم کے ساتھ کیا گیا۔ جب کہ اس مہم کا جذبہ سندھ کے حاکم راجہ داہر کو اس کے بحری قزاقوں کی لوٹ مار کا سبق سکھانا تھا۔ جو انہوں نے مشرق بعید کے مسلم تاجروں کا مال لوٹ کر ظلم کیا تھا اور بالخصوص عورتوں کی بے حرمتی کی تھی۔ اس مہم میں پوری وادی سندھ (موجودہ صوبہ سندھ پنجاب کشمیر تک) کا علاقہ مسلمانوں کے زیر اثر آ گیا۔

☆ اسلام کے سندھ میں اس داخلے کی مثال موسم بہار میں ہلکی بارش کی ہے جس سے اسلام کی برکات کی ایک جھلک وادی سندھ کے عوام کو مسحور کر گئی اور پورے ہند میں ضمیر انسانی کو مصنوعی خداؤں کے تصور سے آزادی دلانے کی نوید ثابت ہوئی۔

☆ اس دور میں مسلمانوں کے مرکز میں باہمی خلفشار اور کسی مثبت جذبے کے نہ ہونے کی وجہ سے یہ مہم آگے نہ بڑھ سکی۔ اور تین صدیاں یونہی گزر گئیں۔ اس دور میں مسلمان مبلغین اور اولیاء کرام اس علاقے میں آ کر اسلام کے فکر کی آبیاری کرتے رہے۔ حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی اس علاقے میں تشریف آوری ثابت ہے۔

☆ اسلامی قلمرو کی ہندوستان میں کسی توسیع کے نہ ہونے کی ایک خارجی وجہ بھی بہت اہم ہے وہ وجہ یہ ہے کہ ہندو فکر و فلسفہ کئی انقلابات دیکھ کر اور بدھ مت سے ٹکراؤ کے بعد اب بدھ مت مذہب کو مشرق بعید میں دھکیل کر اپنے ایک عروج کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وسطی ہندوستان میں اس عروج کی وجہ سے کئی سلطنتیں اپنے عظمت کے ڈنکے بجا رہی تھیں اور دور عروج کی جھلکیاں ان کے علوم و فنون اور تعمیرات سے ظاہر ہو رہی تھیں اسی دور میں بڑے بڑے مندر اور مذہبی استھان تعمیر ہوئے جو ہندومت کی مخصوص فکر، تہذیب اور ثقافت کے علمبردار تھے یہ یاد رہے کہ عریانیت کا جذبہ تو ہر شخص میں فطری طور پر ہوتا ہے تاہم اس کو کسی حدود و قیود کا پابند کرنا اخلاق اور مذہب کا فریضہ ہے اسی وجہ سے انسانی لباس اور چادر و چار دیواری کا تصور ساری دنیا میں پایا جاتا ہے مگر اس عریانیت کا پرچار کرنا اور پھر اس کی انتہاء یہ کہ عریانیت اور بے حیائی کا پجاری ہونا یہ بات صرف ہندومت کے حصے میں آتی ہے۔ چوکوں، شاہراہوں، پارکوں اور عجائب گھروں میں عریاں مجسّمے اور بے حیائی کے انداز تو مغرب، یونان اور شمالی یورپ

میں بھی پائے جاتے ہیں مگر مذہبی عبادت گاہوں میں آخری درجہ کی بے حیائی کے مناظر کے مجسمے اس کثرت کے ساتھ سجا دینا جس میں جوان بوڑھے، عورتیں مرد، بچے بچیاں سب مذہبی جوش و خروش آتے ہیں۔ بے حیائی کی پرستش کا بھی آخری درجہ ہے(موجودہ مغربی تہذیب نے اس میدان میں انتہائی درجے کو حاصل کر کے دنیا میں دیکھا تو ہندومت ان سے کہیں آگے تھا اس وجہ سے ہالی وڈ کی بے حیائی اور عریانیت سے بالی وڈ کی ہندوستانی بے حیائی اور عریانیت بہت آگے ہے کہ مغرب اس معاملے میں ہندوستان کے سامنے سجدہ ریز ہے)

☆ ہندوستان پہ یہ عروج گیارہویں صدی تک جاری رہا ہے۔ سومنات کا مندر اور وسطی ہند کے مشہور زمانہ حیاء سوز مناظر کے حامل مندر اسی زمانہ کی تعمیر ہیں جس کے اثرات بعد میں جنوبی ہندوستان پر اور پھر نیپال اور مشرق بعید کے ممالک پر پڑے ہیں۔ اسی وجہ سے آج کل ہر چہار طرف سے بے حیائی کے دلدادہ سیاح ہندوستان اور نیپال کی اس سیاحت کے لئے اڈے چلے آتے ہیں۔

ہندوستان کی اس منفرد حیاء سوز اور ننگِ انسانیت تہذیب ہی کا نتیجہ ہے کہ تاریخ میں ہندو مذہب کبھی ہندوستان سے باہر قدم نہیں نکال سکا۔ جب اس تہذیب نے عروج سے زوال کی طرف ذرا سفر شروع کیا ہے تو اب قدرت نے 1000ء کے لگ بھگ سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ کو بھیجا ہے جس نے ہندومت کو شکست دی۔ ان کے سومنات کے مندر سمیت راجپوتانہ اور قریب کی سلطنتوں کو تاراج کر دیا اور یوں ہندوستان کے بدقسمت انسانوں کو برہمن کی غلامی اور بے حیائی کی آگ سے نکال کر سکون بخشا ہے۔ اور اسلام کی روحانی، باحیاء اور باضمیر تہذیب وثقافت سے روشناس کرایا ہے۔ اس کے بعد شہاب الدین غوری نے یہی کام کیا ہے اس کے ساتھ ہی مشرق وسطیٰ سے بہت سے مبلغین نے اس دور میں آ کر اسلام کی فطری، حسین اور خدائے واحد کی عبادت والی تعلیمات کو عام کیا ہے۔ (شیخ علی ہجویری رحمہ اللہ وفات 1077ء۔ معین الدین اجمیری وفات 1230ء) ہندومت کے زوال، صوفیاء کی آمد اور مسلمان فاتحین کے حملوں سے عام ہندی انسان کے شعور کو آزادی ملی اور کثیر تعداد میں لوگوں نے اسلام کی تعلیمات کو قبول کر کے

اپنے دلوں کومنور کیا ہے۔

چنانچہ وادی سندھ کی مسلم حکومت کوتوسیع ہوئی اور یہ اقتدار شمالی اور وسطی ہندوستان تک پھیل گیا۔ چنانچہ اب 1200ء کے بعد مسلمان حکومتیں قائم ہوئیں جن کا مرکز دہلی تھا۔

1۔ خاندان غلاماں (نسلاً ترک)1206ء۔1290ء قطب الدین ایبک (غوری کا غلام) التمش، رضیہ سلطانہ، ناصرالدین محمود، غیاث الدین بلبن (التمش کا غلام)۔

2۔ خلجی خاندان (ترک)1290ء۔1320ئجلال الدین خلجی (چچا) علاؤالدین خلجی (بھتیجا۔ چچا کوقتل کیا) اس دور میں نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ (دہلی) رکن الدین (ملتان) قطب الدین مبارک شاہ۔

3۔ تغلق خاندان (ترک)1320ء 1413ء غیاث الدین تغلق (منگولوں کو شکستیں دیں) محمد تغلق (بیٹا) فیروز شاہ تغلق (چچازاد) محمود تغلق (امیر تیمور کا حملہ) دہلی فتح۔

4۔ سید خاندان۔1414ء۔1451ء سید خضر خان۔سید علاؤالدین عالم شاہ۔

5۔ لودھی (پٹھان)1451ء۔1526ء بہلول لودھی۔سکندرلودھی (آگرہ کی بنیاد ڈالی) ابراہیم لودھی (پانی پت میں شکست)۔

6۔ **مغلیہ سلطنت**

1۔ ظہیرالدین بابر 1496ء۔1530ء

2۔ نصیرالدین ہمایوں 1530ء۔1556ء

3۔ جلال الدین اکبر 1556ء۔1605ء

4۔ نورالدین جہانگیر 1606ء۔1627ء

ہندومت دسویں صدی عیسوی میں اپنے زوال کے بعد مسلم تعلیمات اور مسلمان حکمرانوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکی۔ تاہم تین صدیوں کے بعد جب مسلم اقتدار میں اسلامیت، عدل و انصاف اور رعایا پروری کے اوصاف کمزور پڑنا شروع ہوئے تو چودھویں صدی عیسوی (1301ء کے بعد) میں ہندومت میں بیداری کی لہر بیدار ہوئی اور اس نے اپنے نظریات کو ازسرنو تازہ کر کے مسلمانوں کے خلاف کھڑے ہونے کا عزم کیا ہے۔اس دفعہ ہندومت کا یہ جذبہ

جنوبی اور مشرقی ہندوستان میں نمایاں تھا جہاں مرہٹہ قوت نے اس بیداری میں ہراول دستہ کا کام کیا ہے۔

اسی بیداری کے نتیجے میں ہندومت نے مسلمان حکمرانوں سے میل جول پیدا کر کے ان کو اپنی تہذیب کے رنگ میں رنگنے کی کوشش کی ہے اور چانکیہ سیاست کے انداز میں مغل حکمرانوں کو اپنے شیشے میں اتارنے کی کوشش کی ہے چنانچہ ایک طرف ہندو مسلم نظریات کا مغلوبہ (سکھ مذہب کا بانی گورونانک سامنے آتا ہے) اور دوسری طرف مغل حکمرانوں میں اکبر کے طویل عہد میں ہندو عورتوں کا عمل دخل حکمران طبقے، بادشاہ، وزراء، رؤساء کے گھروں میں بڑھ گیا اور وہ ان کے حرم میں داخل ہوگئیں (جیسے آج کل عرب امارات میں عرب شیوخ اور روساء کے گھروں میں) اس ہندومت نے مسلم اقتدار کو حکمرانوں کے ذریعے بغیر جنگ کے رام کرنے کی کوشش کی ہے اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب رہے۔ چنانچہ اکبر کے دربار میں ہندو ذہن بڑا موثر تھا اور اس کے حرم میں ہندو عورتیں چھائی ہوئی تھیں۔ چنانچہ اس کا جانشین جہانگیر ایک ہندو عورت کے بطن سے پیدا ہوا۔

یہ وقت ہندو کی بیداری کا تھا اور یہ اسلامیت کا زوال اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور قرآن سے حد درجہ دوری کا نتیجہ تھا۔ اس زوال کی انتہائی گہری اور تباہ کن صورت یوں پیدا ہوئی کہ اکبر نے 1580ء کے لگ بھگ اسلام کو ترک کر کے ایک نیا دین دین الٰہی جاری کر دیا اور بے حیائی، بے دینی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے بے اعتنائی اور آزادی اور روشن خیالی جیسے نظریات سرکاری سطح پر عام ہونے لگے۔ سارے درباری امراء، وزراء اسی رنگ میں رنگے گئے اور سرکاری دربار تک رسائی کے لئے اسی دین الٰہی کو قبول کرنا لازم تھا۔

ہندو پس پردہ اپنی اس کامیابی پر بڑا نازاں اور خوش تھا اور اپنے منصوبے کو کامیاب ہوتے دیکھ رہا تھا کہ اس طرح وہ بدھ مت کی طرح اسلام کو ہڑپ کر جائے گا اور اپنے رنگ میں رنگ لے گا۔

ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی ہستی کو پیدا کیا اور کھڑا کر دیا جس نے ہندومت کے ان ناپاک اور ننگ انسانیت منصوبوں کو خاک میں ملا کر انسانیت کو دوبارہ برہمنی

سامراج کے چنگل میں جانے سے بچالیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی شخصیت، کردار اور کارنامے

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا دور اکبر کے عروج کا دور ہے اکبر شہنشاہ کہلاتا تھا اور مغل اعظم مشہور تھا۔اس کی سلطنت کابل سے نیپال اور برما تک محیط تھی۔

اس نے اپنی سلطنت کو عسکری لحاظ سے مستحکم کر کے انتظامی لحاظ سے بھی مضبوط بنایا۔ محاصل کا نظام درست کیا، عدل وانصاف کا اہتمام کیا۔علوم فنون کی سرپرستی کی۔

اس سب کے باوجود چونکہ مسلمان ہندوستان میں اقلیت میں تھے لہٰذا اسے ہندو کی طرف سے اپنے اقتدار اور سلطنت کے لئے خدشہ رہتا تھا۔اس نے دارالحکومت میں تمام مذاہب کے علماء کا باقاعدگی سے اجلاس بلا کر مختلف معاملات پر بحثیں کرنے کا بندوبست کیا ہوا تھا۔جس سے اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ سلطنت کے استحکام کے لئے مذہبی یگانگت اور حکومتی معاملات میں سب کی شرکت SENSE OF PARTICIPATION ضروری ہے۔لہٰذا اس نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا تو خوشامدی قسم کے درباری علماء نے اسے دلائل بھی فراہم کر دیئے کہ اب ایک نئے دین کی ضرورت ہے چنانچہ اس نے 1581ء میں دین الٰہی کے نام سے نیا دین جاری کر دیا۔

دین الٰہی میں ہندومت، جین مت، بدھ مت، پارسی، یہود، عیسائیت، اسلام سب کی تعلیمات کو ملا کر ایک نیا دین بنا دیا۔تا کہ سب کو یہ دین اپنا دین محسوس ہو۔اس دین میں اکبر کو نبی سے بھی بڑھا کر خدا کا درجہ دے دیا گیا تھا۔اور سرکاری کاموں اور دربار تک رسائی کے لئے اس دین کو اختیار کرنا ضروری تھا۔

لوگ آپس میں ملتے تو السلام علیکم کی بجائے اللہ اکبر اور جل جلالہٗ کے الفاظ کہتے جس سے ذہن اکبر بادشاہ کی طرف ہی منتقل ہوتا۔

اس مذہب کے فروغ میں بے حیائی کے ساتھ آزادی کو بھی بہت دخل تھا چنانچہ اسلام کی تعلیمات کا علی الاعلان مذاق اڑایا جانے لگا اور لوگ دین اسلام سے برگشتہ ہونا شروع ہو گئے

اور خدشہ تھا کہ اگر یہ صورت حال جاری رہی تو ہندوستان سے دین اسلام کا خاتمہ ہو جائے گا اور یہ سارا منصوبہ دراصل ہندو ذہن کی پیداوار تھا جس نے اسلام کی بیخ کُنی کے لئے اکبر کو اس پر آمادہ کر لیا۔ اکبر اسلام سے روگردانی کر کے ''مرتد'' ہو گیا اور اسلام کے مقابلے میں دین الٰہی کھڑا کر دیا۔

اس پس منظر میں دین کے دردمند علماء، صلحاء اور صوفیاء میں بے چینی پائی جاتی تھی اور ہر آدمی ایک دوسرے کی طرف دیکھتا تھا کہ وہ پہل کرے اس لئے کہ حکومت کا دباؤ بہت شدید اور مصائب اور سختیاں نا قابل برداشت تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان حالات میں حضرت مجدد الف ثانی کو اس کام کے لئے کھڑا کیا اور انہوں نے مردانہ وار اس فتنۃ الکبری کا مقابلہ کیا۔ بعد میں اور بھی کئی لوگ ان کے حمائتی ہو گئے تاہم دین الٰہی کے خلاف مزاحمت کا سارا CREDIT حضرت مجدد الف ثانی کو ہی جاتا ہے آپ کے مرشد خواجہ باقی باللہ نے ان حالات کے لئے خاص آپ پر توجہ فرمائی تھی اور تربیت کی تھی۔ اور اکبر کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ کو اپنے مرشد کی بھرپور تائید وحمایت حاصل تھی۔ خواجہ باقی باللہ کا انتقال 1603ء میں ہوا اور اکبر 1605ء میں مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا جہانگیر تخت نشین ہوا۔ جہانگیر کے دور میں بھی آپ پر آغاز میں بہت مصیبتیں آن پڑیں سب امراء، رؤساء آپ کے مخالف تھے۔ جہانگیر نے آپ کو پہلے قید کر دیا مگر بعد میں جہانگیر کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو اس نے شیخ مجدد الف ثانی کو رہا کر دیا اور عزت کی۔ قید کی حالت میں بھی سفر وحضر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ تاکہ حضرت مجدد کا رابطہ عوام اور خواص سے کسی صورت نہ ہو سکے تاہم آپ نے عوام سے رابطہ بڑھانے اور اصلاح کی سعی کی خواص امراء اور روساء کے علاوہ علماء صوفیاء کی اصلاح پر توجہ دی امراء وروساء کے نام ان کے 200 اصلاحی خطوط آپکی تعلیمات کا خلاصہ ہیں اور مکتوبات کے نام مشہور ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی کی کوششوں سے جہانگیر کے خیالات میں بھی تبدیلی آئی اور اس نے اکبر کے جاری کردہ دین الٰہی کو منسوخ کر دیا اور اسلامی شریعت کے مطابق عدل وانصاف

کی کوشش کی حضرت مجدد ہی کے اثرات کی وجہ سے شاہی خاندان میں اسلام سے وابستگی لوٹ آئی اور جہانگیر سے بہتر شاہجہان اور اس سے بہتر اورنگ عالمگیر جیسا حکمران نصف صدی کے اندر ہندوستان کو میسر آ گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں خوبیوں سے نوازا تھا آپ علوم عقلیہ اور نقلیہ میں درجہ کمال پر فائز تھے۔ آپ کی روحانی فضیلت مسلّمہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ ایک صاحب طرز ادیب اور منفرد انشاء پرداز بھی تھے۔ آپ نے اپنے عہد کے مطابق متعدد رسالے لکھے اور کتابیں تالیف فرمائیں۔ ان میں سے رسالہ اثبات النبوۃ، رسالہ تہلیلیہ اور رسالہ ردّ روافض اور معارف الدینیہ زیادہ مشہور ہیں۔

آپ کا اصل کارنامہ دین اسلام کا دفاع ہے اور عام بے دینی کے ماحول میں ایمان بالا، ایمان بالآخرہ اور ایمان بالرسالتہ کا اثبات اور اس کی اہمیت کو واضح کرنا تھا۔ آپ نے سنت رسول ﷺ پر بہت زیادہ زور دیا سلسلہ نقشبندیہ کو آپ کے عہد میں بہت زیادہ ترقی ہوئی اور یہ ہندوستان سے افغانستان اور روسی علاقہ جات کے علاوہ ترکی تک جا پہنچا۔

آپ نے علماء وصوفیاء کی بدعات واختراعات کو بھی نشانہ تنقید بنایا اور ان کی اصلاح فرمائی تصوف کو شریعت کا پابند بنانے کے لئے آپ نے کوشش فرمائی تصوف میں ریاضتوں کو کم کر کے آسانیاں پیدا فرمائیں۔ آپ کی مساعی جمیلہ کے نتیجے میں اکبر کے باطل دین کا قلع قمع ہو گیا اور اس کے اثرات بھی ایک نسل کے اندر اندر مٹ گئے بلکہ آئندہ آنے والے حکمرانوں کے لئے بھی ایسی کسی مذموم حرکت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہندومت کی بیداری کی وجہ سے ان کے اس دام ہمہ رنگ، زمین منصوبے یعنی مسلمانوں کے ہاتھوں اسلام کو ختم کرنا اور نیا دین جاری کروانا کو خاک میں ملا دیا گیا۔ بقول اقبال

؎ وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے

جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
حاضر میں ہوا شیخ مجدّد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

یہ سیمینار 7 جنوری 07ء بروز اتوار 9:30 بجے تا 12:00 بجے منعقد ہوا۔ اس میں مہمان خصوصی جناب محمد سعید بھٹہ صاحب (ملتان) تھے۔ اور دیگر مقررین میں پروفیسر مہر غلام سرور صاحب (سابق صدر شعبہ تاریخ گورنمنٹ کالج جھنگ) اور انجینئر مختار فاروقی صاحب شامل تھے۔

تبصرۂ کتب

☆☆☆☆☆

نام کتاب: اسلام اور سائنس.....تصادم یا توثیق.....ایک تحقیقی جائزہ

تالیف: پروفیسر عبدالماجد و ابومعاذ حافظ عبدالواجد صدیقی

ضخامت: 246 صفحات۔ قیمت:150 روپے

شائع کردہ: سوسائٹی فار انٹریکشن آف ریلیجن، سائنس اینڈ ٹیکنالوجی چنار وڈ مسلم ٹاؤن مانسہرہ

خوبصورت ٹائٹل اور معیاری طباعت کے ساتھ گیارہ مضامین پر مشتمل یہ کتاب اپنے عنوان اور مشمولات کے اعتبار سے بے حد اہم ہے اور آج کے مسلمان نوجوان کو انتشار ذہنی وفکری کا علاج فراہم کرتی ہے۔

دور حاضر کے فتنوں میں سے ایک فتنہ آسمانی ہدایت اور سائنس میں دوری ہے اور یہ کام مغرب کے فکری رہنماؤں نے دیدہ دانستہ، ہمت اور دلیری سے سرانجام دیا ہے لہٰذا پہلے عیسائیت کو آسمانی ہدایت سے کاٹ کر تثلیث کا رنگ دیا گیا اور پھر عیسائیت کے بے سروپا عقائد کی وجہ سے سائنس کو خلاف عیسائیت قرار دے کر مذہب سے جدا کر دیا گیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ گزشتہ دو صدیوں سے سائنس سیکولر بنیادوں پر کام کر رہی ہے مغربی ماحول میں مذہب سے دوری عیسائیت کے خودساختہ تثلیث کے بے ہودہ عقائد کی بنیادی پر ہوئی تھی جسے غلط فہمی میں اسلام کی روشن تعلیمات کے ساتھ بھی جوڑ دیا گیا حالانکہ درحقیقت اسلام ایک اللہ کی تعلیم دیتا ہے اور اسی اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات تخلیق کی ہے پھر مغرب کے حالیہ عروج سے پہلے مسلمان کے دور عروج میں مسلمانوں نے سائنس کو بام عروج تک پہنچایا اور اس دوران مذہب اور سائنس کا کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔

یہ کتاب جدید تعلیم یافتہ حضرات کے ہاتھوں میں جانی چاہیے تاکہ سائنس کو سیکولرازم اور خدابیزار ماحول سے نکال کر اسلام اور خداشناسی کے آنگن میں لایا جاسکتے۔

نام کتاب: شمائل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع

تالیف: مولانا عبدالقیوم حقانی

ضخامت: 153 صفحات

ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کو تمام بنی نوعِ انسان کے لیے ایک کامل نمونہ قرار دیا ہے اور عنداللہ محبوب بندہ بننے کے لیے آپ ﷺ کی اتباع کو لازمی قرار دیا ہے ع ''اگر اسی میں ہو خامی تو سب کچھ نامکمل ہے''۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ کے کئی موضوعات پر بے شمار کتابیں اہل علم حضرات نے تصنیف کی ہیں آپ ﷺ کی سیرت سے واقفیت کے لیے سیرت کی کتب کا مطالعہ ہر مسلمان کو ضرور کرنا چاہیے۔

مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب مدظلہ نے مختلف موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف فرمائی ہیں انہیں میں موصوف کی زیر تبصرہ کتاب ہے جو امام المحدثین ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ کی سیرت کی شہرۂ آفاق کتاب ''شمائل ترمذی'' کی مفصّل شرح کی آٹھویں اور آخری جلد ہے۔ اس جلد میں حضور اقدس ﷺ کے صفاتی نام ''اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ'' کے عملی نمونے، آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری لمحات، آپ کی تکفین وتدفین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا آپ کی جدائی پر شدت غم اور خلیفہ کے انتخاب وغیرہ عنوانات سے متعلق 47 احادیث شامل ہیں۔ رنگیں خوبصورت جاذب نظر ٹائٹل اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ اس کتاب کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ احادیث پر اعراب کا اہتمام کیا گیا ہے جس سے عام قاری بھی احادیث کو بآسانی پڑھ سکتا ہے۔

نام کتاب: مسائل قربانی

مؤلف: مولانا محمد عبدالمعبود

ضخامت: 230 صفحات

ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

القاسم اکیڈمی نوشہرہ سے مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب کی زیرنگرانی متعدد علمی، ادبی، تاریخی اور اصلاحی کتابیں نشر ہوکر منظر عام پر آئی ہیں، زیرنظر کتاب ''مسائل قربانی'' بھی اسی ادارہ کی نئی اشاعت ہے۔ مؤلف کتاب مولانا عبدالمعبود صاحب نے پہلے بھی چند کتابیں لکھی ہیں جن میں سے تاریخ المکۃ المکرّمۃ اور تاریخ المدینۃ المنوّرۃ موصوف کی اہم تالیفات ہیں۔ اس کتاب میں سنت ابراہیمی کی عظیم یادگار یعنی قربانی سے متعلقہ اہم معلومات اور احکام ومسائل کو بہت سے عنوانات کے تحت مرتب کیا ہے اور تفسیر، حدیث اور فتاویٰ کی کتب سے حوالہ جات نقل کرکے کتاب کو مبرہن بنایا ہے۔ کتاب میں پروف کی کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں جس سے کتاب کا حسن گہنا گیا ہے۔ مجموعی طور پر کتاب ہر خاص وعام کے لیے مفید ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کتاب کو قبول عام عطا فرمائے (آمین)۔

ایڈیٹر کے نام

(1)

محترم ومکرم انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب

السلام علیکم ورحمة اللّٰہ

1۔ سب سے پہلے تو میں آپ کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں کہ آپ نے بہت ہی سادہ مگر نہایت شستہ انداز میں اپنا حاصل مطالعہ بحوالہ فکر اقبال مرحوم وڈاکٹر رفیع الدین مرحوم جامع طرز پر ترتیب دے کر اس شمارے میں جدید تعلیم یافتہ حضرات کے سامنے رکھ دیا ہے امید ہے کہ خواہشمند حضرات کو علم جدید کے حوالے سے درست رہنمائی ملے گی اور وہ مرعوبیت کی بیماری سے ان شاء اللہ نجات پائیں گے۔

2۔ یہ بات بالکل درست ہے کہ مغربی فلسفہ وفکر نے علوم جدیدہ میں گمراہیاں پیدا کیں ورنہ ان میں فی نفسہٖ کوئی خرابی نہیں ہے۔ علم الاسماء تو اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش ہی سے انسان کو عطا کر دیا تھا اور ساتھ ہی اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کا حصار بھی لگا دیا تھا تاکہ انسان کھل کھیل نہ سکے جیسا کہ مغربی انسان نے کھیلا۔ مغربیوں کی معذوری قابل فہم ہے اس لئے کہ یہود کے فکر چالاک نے ان کو علم وحی سے بالکل محروم کر دیا اور علم وحی کے بغیر جب علم جدید میں ترقی ہوئی تو لازم تھا کہ اس میں شیطان اپنا اثر ورسوخ شامل کرے چنانچہ شیطان نے اپنے مغربی اولیاء کو وحی کی: اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰی اَوْلِیٰٓئِھِمْ (الانعام: 121) کہ وہ ان علوم کو اس طرح ترتیب دیں کہ ان کے ایک ایک جزیئے سے اللہ سے بغاوت کی بدبو آئے اور اس میں وہ اس حد تک کامیاب ہوئے کہ ساری دینا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

قابل رحم حالت تو اہل اسلام کی ہے کہ وحی کے نور کامل کی موجودگی میں بھی وہ علوم جدیدہ کی خرابیوں سے اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھ سکے حالانکہ ان کا کام یہ تھا کہ وہ آگے بڑھ کر مغرب

کی شرارت کا سد باب کرتے اور علوم جدیدہ کی سرپرستی اور ان کو وحی الٰہی کے حصار میں لے کر خود ترقی دیتے اور اس طرح انسانیت کو گندگی میں گرنے سے بچاتے لیکن عرصہ ہوا کہ اہل اسلام سو گئے اور دنیا ''جاہلیت جدیدہ'' کی تاریکی میں ڈوب گئی۔آپ کی اس محنت سے ایسا لگا جیسے گھپ اندھیرے میں ایک چراغ روشن ہو گیا ہے۔ان شاءاللہ اس کی روشنی پھیلے گی اور اپنے اثرات بھی دکھلائے گی۔

3۔ مجلّہ کے مطالعہ کے بعد میرا تأثر یہ ہے کہ اس کا عنوان صرف ''حقیقتِ علم '' کی بجائے'' حقیقت علم جدید'' ہوتا تو وہ زیادہ متعلق (RELEVANT) ہوتا کیونکہ آپ نے خود بھی'' حرف آرزو'' میں اسی طرف اشارہ کیا ہے جہاں تک ''حقیقتِ علم'' کا تعلق ہے اس پر بڑے جامع اور مفصل انداز میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے بیان کیا ہے ان کے مطابق علم کی دو اقسام ہیں:۔

☆ علم وحی (REVEALED KNOWLEDGE)

☆ علم اکتسابی (ACQUIRED KNOWLEDGE)

یعنی جب حقیقت علم کی بات کریں گے تو اس کو دو حصوں میں تقسیم کریں گے بقول علامہ ابن خلدون:"العلم علمان:علم الادیان و علم الابدان "

4۔ ''حرف آرزو'' میں اگر علم کی وسعت کا تذکرہ ہو جاتا تو بہتر ہوتا بالخصوص اس علم کا جو اللہ تعالیٰ براہ راست انبیاء کے ذریعے انسانوں کو دیتا رہا ہے جس کو علم بالقلب کی بجائے علم بالوحی قرار دینا زیادہ موزوں ہے'اس سے یہ پیغام بھی جدید پڑھے لکھے لوگوں کو مل جاتا کہ انسان کی ضرورت دونوں علوم ہیں اور ان میں بھی فائق علم''علم دین'' ہے۔

'علم الابدان' یا'علم الاسماء' یا مادی علوم،علم دین کے ماتحت ہوں تو انسانوں کے لئے رحمت ہیں ورنہ تباہی و گمراہی۔آپ نے اکتسابی علم کی حقیقت واضح کرتے ہوئے اُس پر مغرب کی بے خدا فکر و تہذیب کے اثرات کا بطور خاص ذکر کیا ہے جو اختصار کے باوجود جامع ہے اس سے یقیناً علم جدید کے کمزور پہلو نمایاں ہو کر سامنے آئیں گے۔

5۔ مجموعی طور پر" **حقیقت علم نمبر** "عمدہ کوشش ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ دے گا مضامین کی مختلف حصص میں تقسیم ان کی افادیت میں اضافے کا باعث بنے گی۔ان شاءاللہ ضمیر اختر خان

(2)

محترمی ومکرمی انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب مدیر ماہنامہ حکمت بالغہ جھنگ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوں گے۔احوال عرض ہے کہ آپ کا ارسال کردہ ماہنامہ حکمت بالغہ جنوری 09ء کا موصول ہوا اور ساتھ ہی یہ اطلاع بھی کہ لائبریری کو رسالہ مستقل اعزازی جاری کر دیا گیا ہے یہ عظیم اعزاز دینے پر ہم آپ کے مشکور وممنون ہیں۔شمارے میں تمام مضامین بڑے ہی معلوماتی، دلچسپ اور فکر انگیز تھے جن میں ''فریضہ اقامت دین۔۔رکاوٹیں اور ان کا حل''، ''عقل ونقل کی کشاکش کی تاریخ اور فتنہ انکارِ سنت'' اپنی مثال آپ تھے اس کے علاوہ ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' آپ کا مضمون خشیت الٰہی، محبت الٰہی، نماز کی اہمیت اور اس کی رغبت اور جلوت و خلوت میں یاد الٰہی جیسی سبق آموز نصیحتوں سے پُر تھا۔آپ کے لئے دل سے دعائیں نکلیں کہ اللہ تعالیٰ اس قلم کو مزید ہمت وتوفیق سے نوازے۔اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

اس شمارے میں آپ کے شائع شدہ خصوصی نمبروں کا تعارف پڑھا (حقیقت انسان نمبر، حقیقت علم نمبر) لائبریری کا ہر رکن وممبر ان کے مطالعے کا خواہشمند ہے ممکن ہو تو ضرور نوازیں۔جزاکم اللّٰہ خیرا۔ والسلام طالب دعا: عبداللہ بلوچ

عبداللہ بن مسعود لائبریری ڈاکخانہ کھپر ضلع سانگھڑ

(3)

محترم ومکرم جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب زیدت معالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب نے آپ کے دو مضامین بعنوان ''عقل ونقل کی کشاکش کی تاریخ'' اور ''الصلوۃ الوسطیٰ'' شائع شدہ ماہنامہ حکمت بالغہ بابت ماہ جنوری 2009ء کا مطالعہ کر کے ان کے بارے میں اپنی رائے سے مطلع کرنے کا حکم فرمایا تھا۔بندہ نے دونوں مضامین کو بالاستیعاب دیکھ لیا۔ان مضامین میں حلّت وحرمت یا شرعی طور پر جائز وناجائز کا کوئی مسئلہ تو زیر بحث ہے نہیں، سو

اس بارے میں تو کچھ کہنے لکھنے کی ضرورت ہی نہیں۔

پہلا مضمون عقل ونقل کی کشاکش کی تاریخ پر مشتمل ہے یہ کشمکش ایک تاریخی حقیقت ہے جس نے مختلف زمانوں میں مختلف روپ اختیار کئے اور بالآخر بہت سے مراحل سے گزر کر موجودہ پرویزیت اور فتنہ انکار سنت کے مشخّص اور منظّم تحریک تک آ پہنچا ہے اس تدریجی سفر کو بیان کرنے میں ربط وترتیب کی کمی بیشی کا فرق ہوسکتا ہے جو نفس مدّعا سے غیر متعلق شئے ہے، اس مضمون کی صورت میں آپ کی جو کاوش سامنے آئی ہے آپ کی حساسیّت، دینی درد اور غیرت وحمیت ملی کا غمّاز ہے ان شاء اللہ بقدرِ خلوص عنداللہ آپ کا اجر وثواب محفوظ ہے۔

دوسرا مضمون الصلوٰۃ الوسطیٰ کی تعیین کے سلسلے میں ہے، اس مضمون کو پڑھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے نقل کو اولیت دی ہے اور پھر اس کے بعد انہیں نقول سے دین کے مزاج کے مطابق خوبصورت نکتہ آفرینیاں کی ہیں انکارِ حدیث کا فتنہ بھی اسی روش سے پیدا ہوا ہے کہ نقل یا اس کے ظاہر کو چھوڑ کر کسی مستند بنیاد کے بغیر ہوائی قلعے تعمیر کرنے شروع کئے جائیں۔ فتنہ باطنیہ کو اسی وجہ سے علمائے حقہ نے رد کیا ہے۔ اور انکارِ حدیث کا مرض بھی اسی عارض کی بنا پر لاحق ہوا ہے

ماشاء اللہ آپ نے دینی اور اسلامی گفتگو کا وہ ڈھنگ معلوم کرلیا ہے جس کو اپنا کر پھر بھٹکنے کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید کی توفیق عطا فرماوے۔ (آمین)

والسلام مع الاکرام　　مولانا الطاف الرحمٰن بنوی

استاد الحدیث جامعہ امداد العلوم جامع مسجد درویش پشاور صدر

(4)

محترم جناب مدیر صاحب ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' جھنگ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ماہ فروری کے ''حکمت بالغہ'' میں آپ نے میری تصنیف ''یادوں کی تسبیح'' (ایک تحریکی کارکن کی آپ بیتی) پر تبصرہ فرمایا جس کے لئے میں آپ کا ممنون ہوں۔ تبصرہ کی سطر سطر سے خلوص ومحبت کی مہک اٹھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ آمین

آپ نے کتاب کے نام کو نمایاں کرنے کے لئے اسے اوپر REVERSE میں

شائع کیا ہے۔جس کی وجہ سے سیاہی اس میں بھر گئی ہے اور نام پڑھنے میں مشکل سے آتا ہے۔ اب اس خط کے اوپر اسے نمایاں طور پر شائع فرما دیجئے۔

کتاب اعلیٰ امپورٹڈ کاغذ پر شائع ہوئی ہے۔ٹائٹل اور پھر ہر باب کے شروع میں پانچ عدد SUB-TITLES اعلیٰ آرٹ پیپر پر پانچ رنگوں میں علیحدہ علیحدہ شائع ہوئے ہیں۔جو کہ بہت جاذب نظر ہیں۔چھپائی نفیس ہے اور جلد بہت مضبوط۔ان سب کی وجہ سے اس شدید مہنگائی کے زمانہ میں 381 صفحات کی قیمت چار صد روپے ہے۔اس میں نفع کا کوئی پہلو نہیں ہے۔البتہ گھاٹے کا سودا ہے۔نفع اگر آخرت میں مل جائے تو زہے نصیب!

اسلامی تحریکوں کے کارکنوں سے میری گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ ان شاءاللہ ان کو فائدہ ہوگا اور جذبات کو مہمیز ملے گی۔

ایک حلقہ کی جانب سے کتاب پر پابندی لگائی جارہی ہے اور پھیلانے سے روکا جارہا ہے۔اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔یہ بھی شاید ان کے خلوص کا مظہر ہو۔ویسے فکر کو جغرافیہ کا پابند نہیں کیا جاسکتا۔الحمدللہ کہ تین ہی مہینے میں یہ چار براعظموں تک جاچکی ہے اور اسے ہماری توقع سے زیادہ پذیرائی مل رہی ہے۔یہ سب اللہ کا کرم ہے،

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا
کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

2 فروری کو 75 سال کا ہوگیا ہوں۔76 ویں سال میں قدم رکھ دیئے ہیں۔زندگی کے گنے چنے دن باقی ہیں۔دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے۔آمین

والسلام

قاضی عبدالقادر ایم اے

کراچی

گزشتہ 25 روزہ کورسز میں شرکاء کے تأثرات

قرآن اکیڈمی جھنگ نے عربی زبان کی تعلیم وترویج اور فہم قرآن کا ذوق وشوق پیدا کرنے کے لیے بہت

ہی مخلصانہ اور بروقت جدوجہد شروع کی ہوئی ہے جب کہ اس وقت عوام الناس قرآن اور دین سے عملی طور پر بہت دور جا چکے ہیں یہ بہت قابل قدر کاوش ہے۔ یہاں لوگوں میں قرآن مجید کے مطالعے کا شوق اور دلچسپی بڑھانے کے لیے بہترین پروگرام پیش کیے جاتے ہیں۔اساتذہ کرام پرمغز اور عام فہم لیکچر سے اس کے لیے ترغیب اور تشویق پیدا کرتے ہیں تمام سٹاف کا رویہ طالب علموں سے نہایت دوستانہ اور مشفقانہ ہوتا ہے بہترین اور پاکیزہ ماحول کی برکات کی وجہ سے ہم لوگوں نے بہت سی پاکیزہ عادات اپنائی ہیں مثلاً نماز تہجد، زیادہ سے زیادہ تلاوت قرآن مجید، ادعیہ ماثورہ کا حفظ۔اور یہاں رہائش اور طعام کا اچھا انتظام موجود ہے۔(ساجد سہیل شیخ، جہلم)

''قرآن اکیڈمی جھنگ'' دین کی تعلیم اور اشاعت اسلام کرنے والے اداروں میں سے ایک عظیم ادارہ ہے۔دین کی بے لوث خدمت کا مظہر ہے۔دین کی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لیے بہت ہی اچھی تربیت گاہ ہے۔دین کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ اس ادارہ میں تمام تر سہولیات میسر کی گئی ہیں۔قیام وطعام کا نہایت اعلیٰ انتظام ہے۔نظام منظم ماحول صاف ستھرا اور سلجھا ہوا ہے دین کو بطورِ نظام حیات سمجھنے کے لیے بہترین مواقع فراہم کیے گئے ہیں۔ادارہ کے تمام کارکن حسن اخلاق کے پیکر ہیں۔محترم جناب مختار حسین فاروقی صاحب جو اس ادارہ کے سربراہ میں ان کا علم اور فہمِ دین قابل صد تحسین ہے۔صبح سے شام تک انتھک انداز میں درس وتدریس انہی کا خاصہ ہے۔قرآن مجید اور مطالعہ احادیث کا منتخب نصاب، تاریخ اسلام اور شاعر مشرق کا کلام جس احسن انداز میں ذہن نشین کراتے ہیں وہ اپنی طرز کا انوکھا اسلوب ہے(رحمت اللہ کھر، بہاول نگر)

قرآن اکیڈمی میں داخلہ لے کر مجھے یہ شدید احساس ہوا کہ ہم کس قدر بے عمل اور بے مقصد زندگیاں گزار رہے ہیں ہمارا طرز زندگی قرآن وسنت سے کسی طور بھی مطابقت نہیں رکھتا قرآن اکیڈمی میں نہ صرف ہمیں تاریخ اسلام سے روشناس کرایا گیا بلکہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب اور منتخب احادیث کے خصوصی لیکچرز کا بندوبست بھی احسن انداز سے کیا گیا۔کلامِ اقبال خاص طور پر جوش اور تڑپ پیدا کرتا ہے یہ لیکچرز ہمیں دورِ حاضر میں باعمل اور باکردار زندگی گزارنے کا سبق دیتے ہیں۔(محمد شہزاد، جھنگ)

فرمودۂ اقبال

مومناں را گفت آں سلطانِ دیں
مسجدِ من ایں ہمہ روئے زمیں
الاماں! از گردشِ آسماں
مسجد مومن بدست دیگراں
سخت کوشد بندۂ پاکیزہ کیش
تا بگیرد مسجد مولائے خویش
تا کجا بے غیرت دیں زیستن
اے مسلماں مردن است ایں زیستن

اہل ایمان سے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمام روئے زمین میرے لئے مسجد قرار پا دی گئی ہے مگر حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اس روئے زمین پر کافروں اور مشرکوں کی اجارہ داری ہے۔ بندۂ مؤمن سخت محنت وکوشش کرے کہ وہ غیروں سے اس مسجد (روئے زمین) کو واگزار کرائے (اور اللہ کے دین ونظام کی بالادستی کردے)

اس جدوجہد کے بغیر زندگی موت ہے اور اے اہل ایمان کب تک بے غیرتی کی زندگی گزاروگے۔